جلد ۷۱ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۳ء عدد ۲

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

افسوس ہے کہ گذشتہ مہینہ ہماری دینی و ملی عمارت کا ایک بڑا ستون گر گیا، اور ۳۱ر دسمبر کی شب کو حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم نے انتقال فرمایا، مفتی صاحب مرحوم اپنے فضل و کمال، دین و تقویٰ اور فہم و فراست کے لحاظ سے طبقہ علماء میں نہایت ممتاز اور منفرد شخصیت رکھتے تھے، دینی علوم خصوصاً فقہ و فتاویٰ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ان کی پوری زندگی علم دین کی خدمت میں گذری، اور وہ نصف صدی سے زیادہ درس و افتا کی مسند پر فائز رہے، دہلی کی مشہور دینی درسگاہ مدرسۂ امینیہ کے صدر مدرس بلکہ اس کے جزو کل تھے، اور یہ مدرسہ انہی سے عبارت تھا، اس علم و تقویٰ کے ساتھ وہ ایک مجاہد کا دل اور مدبر کا دماغ رکھتے تھے، خلافت اور ترک موالات کی تحریک کے زمانہ سے لیکر ہندوستان کی آزادی تک تمام مذہبی و ملی اور قومی و سیاسی تحریکوں میں اُن کا نمایاں حصہ رہا، ایک زمانہ تک جمعیۃ العلماء کے صدر اور کانگریس کے رکن رکین رہے، اور ان دونوں کو اُن کی بصیرت اور رہنمائی سے بڑا فائدہ پہنچا،

مرحوم کا دماغ بڑا نکتہ رس اور سلجھا ہوا تھا، اور اُن کی رائے نہایت متین اور صائب ہوتی تھی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو اپنی فراست سے سلجھا دیتے تھے، اس لئے مذہبی اور ملکی و سیاسی دونوں جماعتوں میں ان کا بڑا وزن تھا، ہندوستان کی آزادی کی جد و جہد میں اُن کا خاص حصہ ہے، ملکی سیاست میں وہ آخر تک کانگریس کے ہم خیال رہے، لیکن جب سے اس پر فرقہ پرستوں کا غلبہ ہو گیا تھا، اور اس میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت اور اُن کی قربانیوں کی کوئی قدر باقی نہ رہ گئی تھی، عملاً اس سے کنارہ کش ہو گئے تھے، طبعاً نہایت سنجیدہ و متین تھے، اگرچہ مرحوم عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے، انتقال کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی، مگر اب طبقۂ علماء میں ایسی جامع الحیثیات شخصیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے اُن کی موت ہندوستان کے مسلمانوں کا بہت بڑا قومی حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ اس پیکر علم و عمل کو اپنی رحمتوں سے نوازے،

پاکستان کے قومی زبان کے مسئلہ پر ہم اس سے پہلے اپنے خیالات ظاہر کر چکے ہیں، اور خیال تھا کہ دستور ساز اسمبلی کی بنیادی کمیٹی اس کا کوئی نہ کوئی فیصلہ کر دیگی، اب اسکی رپورٹ بھی شائع ہو گئی ہے، مگر یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ اس بارہ میں بالکل خاموشی اختیار کی گئی ہے، زبان کے جیسے اہم قومی مسئلہ میں محض کسی صوبہ کے خوف سے یہ خاموشی انتہائی کمزوری ہے، جس مسئلہ کا تعلق پاکستان کے بنیادی مسائل سے ہے، اور جس کا فیصلہ خود قائد اعظم کر چکے ہوں، اس میں تو کسی تذبذب کا سوال ہی نہ ہونا چاہئے، زبان کے مسئلہ میں ہندوستان اور پاکستان دونوں کی پالیسی تقریباً یکساں ہی ہے، گاندھی جی ہندوستانی کو ہندوستان کی قومی زبان بنانا چاہتے تھے، مگر آج یہاں اس کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، اور قائد اعظم اردو کو پاکستان کی زبان بنانا چاہتے تھے، جو ابھی تک رد و قبول کی کشمکش میں ہے، حیرت ہوتی ہے کہ مشرقی بنگال کے وہ مسلمان جو انگریزوں کے زمانہ سے اپنے لئے اردو کی تعلیم ضروری سمجھتے تھے، اور اس کی کوشش کرتے چلے آتے تھے، پاکستان کے قیام کے بعد بنگالی زبان کے اس قدر شیفتہ کیوں ہو گئے کہ پورے پاکستان میں اردو اور بنگالی کی برابری کے مدعی ہیں، بنگالی یقیناً اُن کی مادری زبان ہے جس سے ان کو کوئی محروم نہیں کر سکتا، اور اردو کے مرکزی حکومت کی زبان بنجانے کے بعد بنگالی کی صوبائی اہمیت میں کوئی فرق نہ آئیگا، پھر اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی پورے پاکستان کی قومی زبان بنانے پر کیوں اصرار ہے، ہر ملک کی قومی زبان ایک ہی ہوتی ہے، چنانچہ خود ہندوستان میں بھی ایک ہی ہے، اس لئے اردو کے ساتھ بنگالی کا مطالبہ محض بیجا ضد ہے، انگریزوں کے زمانہ میں ایک اجنبی زبان کے مقابلہ میں انھوں نے کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اسکی سب سے زیادہ پذیرائی اہل بنگال ہی نے کی، اس لئے اردو کو جو ایک ملکی اور پاکستان کے ایک بڑے طبقہ کی علمی و تہذیبی زبان ہے، انگریزی کی جگہ دینے میں کیوں تامل ہے، آخر اس کا پڑوسی مغربی بنگال بھی تو ہے جس نے خاموشی کے ساتھ ہندی کو قومی زبان تسلیم کر لیا، اور بنگالی کو اس میں شریک کرنے کا مطالبہ نہیں کیا، پھر آخر مشرقی بنگال کے باشندوں پر یہ شامت کیوں سوار ہے،

بنگالی کی حمایت میں یہ دلیل بھی ایک دلیل ہے کہ وہ پاکستان کی اکثریت کی زبان ہے مگر اردو کے دلائل کے مقابلہ میں اس دلیل کا کوئی وزن نہیں، خود ہندوستان ہی کے عمل سے اس کا جواب مل سکتا ہے، جہاں ایک ایسی زبان کو قومی زبان بنایا گیا ہے جو اکثریت کی کیا کسی اقلیت کی بھی زبان نہیں ہے، مگر حکومت کے فیصلہ کے سامنے سب نے سر تسلیم خم کر دیا، اور کسی صوبہ نے بھی ہندی کیساتھ اپنے صوبہ کی زبان کو قومی زبان بنانے پر اصرار نہیں کیا، اس لئے کہ ہر ملک کی قومی زبان ایک ہی ہوتی ہے، اور وہ وہی ہو سکتی ہے جو پورے

ملک میں مشترک، انکی تہذیبی روایات کی ترجمان اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہو اس لحاظ سے اردو ہی پاکستان کی مشترک قومی زبان ہو سکتی ہے، اسکے علاوہ اور تمام زبانیں صوبوں کے اندر محدود ہیں، صرف اردو ہی پورے پاکستان میں سمجھی جاتی ہے اور پورے مغربی پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ اور مشرقی پاکستان کے بھی ایک طبقہ کی علمی و تہذیبی اور لاکھوں مہاجرین کی مادری زبان ہے، پاکستان کی تمام زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، بنگالی لاکھ ترقی یافتہ سہی، مگر پاکستان کے قومی و ملی نقطۂ نظر سے اسکو اردو سے کوئی نسبت نہیں، وہ ہندو مسلمان دونوں کی کوششوں کا ثمرہ اور دونوں تہذیبوں کی ترجمان ہے اور اسکے دامن میں صدیوں کا علمی و تمدنی سرمایہ رکھتی ہے جسکی مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے لئے بڑی ضرورت ہے، ورنہ وہ جس طرح اب تک دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے الگ تھلگ اور تہذیب و تمدن میں ان سے فروتر رہے اسی طرح آئندہ بھی رہیں گے، اس لئے قومی و ملی نقطۂ نظر سے اردو مشرقی بنگال کے لئے ناگزیر ہے اسکے بغیر وہ پاکستان کی تہذیبی سطح پر نہیں آسکتے، اسی لئے وہاں کا سمجھدار طبقہ آج بھی اردو کا حامی ہے،

اسکے علاوہ پورا مغربی پاکستان اردو کا حامی ہے اور اسکے مقابلہ میں کسی نے بھی اپنی صوبائی زبان کا سوال نہیں اٹھایا، مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے مقابلہ میں صرف عددی اکثریت کا امتیاز حاصل ہے، اور اسکی بھی جو حیثیت ہے ظاہر ہے، مگر اس کے علاوہ مغربی پاکستان ہر حیثیت سے اس سے زیادہ ممتاز اور ترقی یافتہ ہے، مشرقی پاکستان تعلیم و تہذیب، دولت و ثروت، طاقت و قوت کس چیز میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہے، بلکہ اس کا ایک صوبہ مغربی پنجاب ان میں سے اکثر چیزوں میں اس پر فائق ہے، اور مشرقی پاکستان کا وجود بھی اس کی قوت بازو سے وابستہ ہے، ایسی حالت میں اس کی آواز کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے،

اردو کے لئے سب سے قوی دلیل یہی ہے کہ پاکستان جس نظریہ کے ماتحت قائم کیا گیا ہے، اس کے لحاظ سے اردو کے علاوہ دوسری کوئی زبان اسکی قومی اور مرکزی حکومت کی زبان ہو ہی نہیں سکتی، اگر اردو کو بھی پاکستان میں جگہ نہ ملی، تو ایسا پاکستان بننے سے کیا حاصل، پاکستان بنگالی زبان اور بنگالی تہذیب کی اشاعت کے لئے نہیں قائم کیا گیا تھا، اگر اس بنیاد پر پاکستان کا سوال اٹھایا جاتا تو وہ عالم وجود ہی میں نہ آتا، اس لئے مشرقی بنگال کے لوگوں کو اس مسئلہ میں ہٹ دھرمی سے کام نہ لینا چاہئے اور صوبائی عصبیت سے الگ ہو کر دینی و ملی نقطۂ نظر سے اس پر غور کرنا چاہئے، اور پاکستان کی حکومت کو صریح الفاظ میں اردو کے قومی زبان بنانے کا اعلان کر دینا چاہئے ورنہ اگر آج وہ ایک صوبہ کی بیجا ضد کے سامنے جھکی تو کل دوسرے صوبوں کے سامنے جھکنا پڑیگا اور پاکستان کی وحدت کا شیرازہ بکھر جائیگا،"

مقالات

قرآن کے صابئین

کیا

بدھ مذہب کے ماننے والے تھے؟

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

یہ ایک سوال ہے جسے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں،

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ دنیا کے جانے پہچانے عام مذاہب و ادیان یہودیت، عیسائیت بلکہ مجوسیت یعنی دین زردشتی کے ماننے والوں کے ساتھ ساتھ قرآن میں ایک سے زائد مقامات پر "الصابئین" کا بھی تذکرہ پایا جاتا ہے،

سوال یہی ہے کہ "الصابئین" کے اس لفظ سے قرآن نے کن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اتنی بات تو کھلی ہوئی ہے کہ مذہبی اقوام اور دینی امتوں ہی کا ذکر جب کیا جا رہا ہے، تو "الصابئین" بھی چاہئے تو یہی کہ کسی دینی "امت" ہی کی تعبیر ہو،

عرب کے باشندے جنھیں قرآن نے اپنا پہلا مخاطب بنا کر دنیا کی قوموں کی طرف انہی کو مبعوث کیا تھا،[۱] اور

۱؎ دوسرے علماء سے بھی خاکسار نے سنا ہے اور مرشد تھانوی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں بھی ہے کہ عرب کے رگ

جو کام ان عربون کے سپرد کیا گیا تھا، عزم اور ارادے کی پوری قوت، ممکنہ وفاداری اور راستبازی کے ساتھ اس فرض کو انھون نے انجام دیا، ایک صدی بھی نہین گذری تھی کہ مغرب مین مراکش کی پہاڑیون اور مشرق مین دیوار چین تک قرآنی دعوت کو اس قوم نے پہنچا دیا پھیلا دیا،

گویا اترنے اور نازل ہونے کے چند ہی سال بعد وہی قرآن جو عرب مین اترا تھا، معمورۂ عالم کے آباد و شایستہ علاقون کا قرآن بن چکا تھا، اس کتاب کو اپنی آسمانی کتاب سامی آریائی، تورانی، الغرض بنی آدم کی عام نسلون اور قومون مین ماننے والے پیدا ہو چکے تھے، ان ہی ماننے والون مین نبوات و کتاب سے بے تعلق ہو کر خود تراشیدہ اوہام مین جتلا بت پرستون کے ساتھ جیسے عیسائی تھے، یہودی تھے، مجوسی تھے، اسی طرح جاننے والے جانتے ہین کہ اُن مین کافی اور معقول تعداد بودھ مت کے ماننے والون کی بھی تھی، وسط ایشیا، بخارا، سمرقند، بلخ، ہند، سرحد چینی، ترکستان بلکہ چین میں بھی قرآن پڑھنے والے آج جو پائے جاتے ہین، سمجھا یہی جاتا ہے کہ اُن کی اکثریت کا تعلق زیادہ تر بودھون ہی سے تھا،

سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہودیون، عیسائیون مجوسیون کے تذکرہ کے ساتھ قرآن پر ایمان لانے والے ان بودھسٹون کی طرف بھی اس کتاب مین کیا کوئی اشارہ کیا گیا تھا؟ مذاہب و ادیان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مذہب کے ماننے والون کو مختلف ممالک اور قومون مین مختلف نامون سے لوگ موسوم کرتے رہے ہین، دور کیون جایئے، خود مسلمانون کو سارا آسین، مور، ترک، ہوئی ہوئی، اور خدا جانے کن کن نامون سے کن کن ملکون مین نہین پکارا گیا اور آج تک نہین پکارا جا رہا ہے،

اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گو خود بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کی جد و جہد کا دائرہ بقول ونسنٹ

(بقیہ حاشیہ ص ۸۵) کہتے ہین "قرآن عرب مین نازل ہوا، مصر مین پڑھا گیا، ترکی مین لکھا گیا، اور ہندوستان مین سمجھا گیا، یہ واقعہ بھی ہے کہ مصریون سے بہتر قاری کہین نہین پائے جاتے، خط نسخ اور قرآنی کتابت مین ترکون کا کام بے نظیر ہے، باقی ہندوستان مین سمجھا گیا، ہندوستانی ہو کر اس دعوی کی تشریح کیسے کرون، ۱۲،

اے۔ اسمتھ،

"نہایت چھوٹے علاقے تک محدود تھا، جس مین تقریباً چار درجے عرض بلد اور اتنے ہی طول بلد شامل تھے، یہ علاقہ گیا، الٰہ آباد، اور کوہستان ہمالیہ کے درمیان کا ملک تھا، انہی حدود کے اندر گوتم بدھ پیدا ہوا، زندہ رہا اور بالآخر فوت ہو گیا، (ص ۲۷)

لیکن مہاراجہ اشوک کی سرپرستی کے بعد جیسا کہ رائے بہادر مہا مہو پادھیائے گوری شنکر ہیراچند نے لکھا ہے،

"اشوک کی کوشش سے بودھ دھرم کی اشاعت محض ہندوستان تک محدود نہ رہی، بلکہ ہندوستان کے باہر لنکا، اور شمال مغرب کے ملکون مین اس کا زور اور بڑھ گیا، بعد ازان بودھ سادھوؤن کے مذہبی جوش کی بدولت رفتہ رفتہ، تبت، چین، منچوریا، منگولیا، جاپان، کوریا، سیام، برما، اور سائبیریا کے کرغیز اور کلمک تک پھیل گیا" ص ۲، (قرون وسطی مین ہندوستانی تہذیب)۔

اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اے۔ اسمتھ کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ

"اس کی (اشوک) اسی دستگیری نے بودھ مذہب کی قسمت کو پھیرا، اور اس قابل کر دیا کہ اس زمانے مین بھی وہ اسلام اور عیسائیت کا بلحاظ تعداد مقابلہ کرنے، بلکہ اُن سے سبقت لیجانے کی کوشش کر رہا ہے" (ص ۲۶۸) (تاریخ قدیم ہند)

ہمین یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ "شمال مغرب" اور "لنکا" جہان بودھ مت کے پھیل جانے کی اطلاع دی گئی ہے لکھنے والون نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"ایران و مصر تک بودھ مذہب کا اثر پھیل چکا تھا" (ہندوون کے دس اوتار ص ۶۲)

یہی نہین، بلکہ شام اور فلسطین مین بھی بودھ مذہب کے جن آثار کا لوگون نے پتہ چلایا ہے اُن کی بنیاد پر بقول اے۔ اسمتھ،

بہت سے مصنفین ایسے بھی ہین، جن کا خیال ہے کہ عیسوی مذہب کی بھی بہت سی باتون مین

بدھ تعلیمات کا اثر ملتا ہے" (قدیم تاریخ ہند ص ۲۷۰)

بجائے خود اس دعویٰ کی نوعیت خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فلسطین و شام تک بودھ مت کا اثر کسی نہ کسی شکل مین ضرور پہنچا ہے، جہان عرب کے باشندون کی آمد و رفت جاری تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تجارتی اغراض سے لنکا اور جزائر شرق الہند جاوا سماترا اور چین تک عرب آتے جاتے رہے تھے،

الغرض بودھ مت والون سے عرب کی واقفیت کسی وجہ سے محل تعجب نہین ہو سکتی،

ان اجمالی معلومات کے بعد جن کی تفصیلات سے ارباب تاریخ واقف ہین، اب آئیے اور جو سوال اٹھایا گیا ہے اس پر غور کیجئے،

اس سے تو خواص ہی نہین، شاید عوام بھی واقف ہون گے کہ "الصابئین" کا لفظ جو صابی کی جمع ہے عرب اور مکہ والے حضرت اس سے مانوس ہی نہ تھے، بلکہ عام طور پر یہ لفظ ان مین مستعمل تھا، انتہا یہ ہے کہ جیسا کہ جاننے والے جانتے ہین امام رازی نے بھی اپنی تفسیر مین لکھا ہے کہ

كانت العرب يسمون النبى عليه السلام صابئاً (ص ۵۴۹)	عرب کے لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام صابی رکھ دیا تھا،

بلکہ صابی کے اسی لفظ سے صیغے بھی بنائے گئے ہین، دین اسلام کے قبول کر لینے والون کو عموماً صبوت (تم صابی ہو گئے) کہا کرتے تھے، لیکن باوجود اس کے جب قرآن کے لفظ "الصابئین" کی تفسیر کا مرحلہ پیش آیا، تو مفسرین کی رائین مختلف ہو گئین، تفسیر کی موجودہ کتابون مین جتنے اقوال پائے جاتے ہین، ان کا خلاصہ یہ ہے،

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دین کے ماننے والون کی "صابئین" یادگار ہین (ابو المسعود ج ۱ ص ۵۵)

۲۔ اہل کتاب ہی کا ایک گروہ ہے السدی کا یہ قول ہے،

۳۔ ایک قوم ہے جو فرشتون کو پوجتی ہے، اور زبور کی تلاوت کرتی ہے،

۴۔ کسدانیون (قدیم بابل و نینوا) والون کی یہ یادگار امت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی امت

کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے،

۵۔ وہب بن منبہ جو غیر قومون کے حالات سے زیادہ واقف تھے، کہا کرتے تھے کہ صابی ان لوگون کو کہتے ہین، جو اللہ کی توحید کے قائل ہین، لیکن ان کے پاس کوئی خاص شریعت نہین ہے جس پر عمل کیا جائے،

۶۔ ابو الزناد کا قول ہے کہ عراق کے نواح مین کوثی نامی مقام کی رہنے والی یہ ایک قوم ہے جو سارے انبیاء علیہم السلام کو مانتی ہے، (درمنثور ج ۱ ص ۷۵)

۷۔ مجاہد کہتے تھے کہ صابی نہ تو یہودی ہین نہ نصاریٰ، بلکہ مشرکون کی ایک قوم ہے جن کے پاس کوئی کتاب نہین ہے،

۸۔ سعید بن جبیر کی طرف ایک لطیفہ یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ تھے جو یہودیون سے ملے اور پوچھا تمھارے دین کی نوعیت کیا ہے، جواب دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام ہین، جن کی کتاب توراۃ ہے، اس کتاب مین فلان فلان باتون کا حکم دیا گیا ہے اور فلان فلان چیزون سے منع کیا گیا ہے، جو ہمارا ساتھ دے گا وہی جنت مین داخل ہوگا، پھر وہ عیسائیون کے پاس آئے اور پوچھا، جس کا جواب دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام ہین، اور ان کی کتاب انجیل ہے، جو ہماری پیروی کرے گا وہی جنت مین ہوگا، صابیون نے دونون قومون کی ان باتون کو سن کر کہا کہ ان جھگڑون مین کون پڑے، ہم کسی مذہب کو نہین مانتے (درمنثور ص ۷۵)

الغرض یہی یا اسی کے قریب قریب مختلف اقوال مختلف لوگون کی طرف تفسیر کی کتابون مین منسوب کئے گئے ہین، حاصل جن کا یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح جو گویا اول الانبیاء تھے، ان کی طرف منسوب کر کے دنیا کی امتون مین قدیم ترین امت صابیون کو ٹھہرانے والے جہان ملتے ہین، وہین ان ہی مفسرین مین ایسے حضرات بھی ہین، جو یہودیون اور عیسائیون کے بعد نئی تازہ امت ان کو قرار دیتے ہین،

اس مین شک نہین جیسا کہ تاریخ کی کتابون سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کی ایک قوم عراق کے نواح مین پائی جاتی تھی، ابو الزناد نے کوثی نامی آبادی مین ان کا جو پتہ دیا ہے، اس سے وہی مراد ہین اسعودی نے

بھی مروج الذہب مین لکھا ہے کہ ایک گروہ اسی صابئین کے نام کا عراق کے نواح مین پایا جاتا ہے، اس کے اصل الفاظ یہ ہین،

ودیارھم فی بلاد واسط والبصرۃ	ان لوگون کی بستیان واسط اور بصرہ مین
من ارض العراق نحو البطائح والآجام	عراق کے اس حصہ مین پائی جاتی ہین جن
(مروج کامل ج ۲ ص ...)	مین بطائح (دل دل) اور نرکے جنگل ہین،

لیکن اسی کے ساتھ المسعودی نے یہ اطلاع بھی دی ہے اور اس کی یہی خبر مستحق توجہ ہے یعنی عراق کے صابیون کا ذکر کرکے اس نے لکھا ہے:-

وھذا النوع من الصابئۃ مبائنون	عراق والے صابی اپنے نحلہ و دین دھرم
للحرانیین فی نحلتھم، (ج ۲ ص ۴)	مین حرّانی صابیون سے الگ ہین،

المسعودی کے ان الفاظ کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اس پر تو آگے بحث کی جائے گی، سردست ان سے اجمالی نتیجہ جو پیدا ہوتا ہے، وہ یہی ہے کہ المسعودی کے علم کے مطابق صابیون کی ایک قوم تو وہ ہے جو عراق کے نواح مین پائی جاتی تھی، اور یہ کہ ان عراقی صابیون کا نحلہ یعنی کیش یا زندگی کے جس طریقہ کو اپنا دھرم انھون نے بنا لیا تھا، ان کا یہ نحلہ دوسرے صابیون سے بالکل جدا تھا،

بظاہر خیال یہی ہوتا ہے کہ ان ہی عراقی صابیون کے متعلق سنی سنائی باتین، ہمارے مفسرین تک پہنچی ہین، جن کو جو کچھ بھی اس سلسلہ مین معلوم ہوا، اسی کو انھون نے اپنی کتابون مین درج کر دیا،

لیکن جیسا کہ المسعودی نے لکھا ہے عراق کے صابی بھی گو صابی ہی کہلاتے تھے، مگر دوسرے صابیون اور ان مین نام ہی کا صرف اشتراک تھا، ایسا کیون ہوا؟ کوئی معین قابل اعتماد جواب تو اس کا مشکل ہے، لیکن عراق کے جن حصون مین وہ آباد تھے، یعنی "بطائح اور آجام" جس کی حقیقت گویا وہی ہے جو ہمارے وطن مین بڑے بڑے دریا کے متصلہ علاقون کی ہوتی ہے، جن مین عموماً دلدل اور جھاڑیان پیدا ہو جاتی ہین، مرطوب اور نمناک

ہونے کی وجہ سے ملیریس مقامات بن جاتے ہین،

ملیریا بخار کا ترجمہ اسی لئے جدید عربی طب مین آجامی بخار "یا حمی آجامیہ" کیا گیا ہے، ایرانی امراء جو عراق پر قابض تھے، انھون نے معلوم ہوتا ہے غریب صابیون کو ان ہی علاقون کی طرف ہنکا دیا تھا، اور وہین بسنے پر اُن کو مجبور کیا تھا، انتہائی غربت افلاس کی زندگی ان ہی بطائح اور آجام مین بسر کرتے تھے،[1]

ایسی حالت مین ان پر جو بھی گذری، گذرنا ہی چاہئے تھا، اپنے موروثی دین، آبائی تہذیب سے اُن کا تعلق ایسی صورت مین اگر باقی نہ رہا، تو خود سوچئے کہ جا فشانی اُن پر پڑی تھی، اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا،

خدا ہی جانتا ہے کہ ان غریب صابیون کی کتنی پشتین دجلہ و فرات کے ان ملیریس علاقون مین گذری تھین،

اس مین شک نہین کہ عراق جب ایرانی امراء کے پنجۂ استبداد سے آزاد ہوا، تو دوسرون کے ساتھ ان صابیون کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ سانس لینے کا کچھ موقع ملا خصوصاً بغداد کو عباسیون نے جب اپنا پایۂ تخت بنایا، تو ایک سے زیادہ امراء عباسی دربار کے ایسے نظر آتے ہین، جن کے نام کے ساتھ صابی کا لفظ لکھا جاتا ہے، جن مین ثابت بن قرہ اور اس کے خاندان کے لوگ خاص طور پر مشہور ہوئے، لیکن عباسیون کے عہد کے صابی امراء کے خاندان کا بانی بھی ثابت جیسا کہ کتابون مین لکھا ہے کہ ابتدا مین ایک معمولی صراف

---

[1] شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء مین لکھا ہے کہ ایران و روم کے امراء زمین کے مالکون پر مسلط تھے حالانکہ زمین کے نہ یہ امراء مالک تھے، نہ اس کو آباد کرتے تھے، اور نہ اپنے باپ دادون سے وراثت مین اُن کو زمین ملی تھی، مسلمانون نے درحقیقت ان ہی زبردستی قبضہ جمانے والے جاگیردارون سے جنگ کی، اور اُن کو مار بھگایا، اور واقعی جو زمین کے مالک تھے، اور اس کو آباد کرتے تھے، اُن کے حوالہ کرکے خراج کے معاملہ مین صلح کر لی گئی تھی،

(تفصیل کے لئے دیکھو ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۱۲۹)

تھا، محمد بن موسیٰ منجم اور فلسفی نے اس کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا، اور علاوہ عام فلسفہ وحکمت کی کتابون کے طب کی تعلیم بھی ثابت نے حاصل کی، معتضد باللہ عباسی خلیفہ اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا، اور اسی نے آگے بڑھنے کے مواقع دیئے، جس کی تفصیل کتابون مین پڑھنی چاہیے،

لیکن علم وفضل کے بعد بھی ان صابیون کو اپنے آبائی دین کے متعلق بس اسی قدر معلوم تھا جتنا دجلہ وفرات کے آجام وبطائح مین رہنے والے جانتے تھے یا جان سکتے تھے، البتہ ثابت کا جونسب نامہ ہمار ہان کی کتابون مین نقل کیا جاتا ہے، اس مین لکھتے ہین کہ ادریس پیغمبر علیہ السلام کے ایک صاحبزادے جن کا نام طاط تھا، وہی "صاب" کے لقب سے ملقب تھے، ابن ابی اصیبعہ مین ہے:-

الصابئیون نسبتھم الی صاب — صابی لوگون کی نسبت صاب کی طرف ہے جو
وھو طاط ابن النبی ادریس علیہ — ادریس علیہ السلام کے صاحبزادے طاط
السلام، (جلد ا ص ۲۱۵) — کا نام تھا،

خدا جانے اس کی اصلیت کیا ہے، ممکن ہے کہ عباسی دربار مین امتیاز حاصل ہونے کے بعد یہ بات بنائی گئی ہو، لیکن اگر کچھ بھی اس دعوی کا واقعہ سے تعلق ہے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عراق کے صابی مذہبا نہین بلکہ نسلا صابی تھے، اور اسی لئے ان صابئیون سے وہ الگ تھے، جو دین صابئہ کے ماننے والے تھے، لیکن عراقی صابئیون کا جو حال بیان کیا جاتا ہے اس سے اس احتمال کی تائید مشکل ہی سے ہو سکتی ہے، عام طور پر بیان کرنے والے جس طریقہ سے عراقی صابیون کا تذکرہ کرتے ہین، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسلی نہین، بلکہ ایک دینی جتھے کی تعبیر ہے،

بہرحال مذہب اور مذہبی امتون کی بوقلمونیون کے جو قصے کتابون مین نقل کئے گئے ہین بلکہ آج بھی اس سلسلہ کے جینی مشاہدات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر بالکل تعجب نہین ہوتا کہ عراق کے صابیون کی دینی زندگی دوسرے صابیون سے اس حد تک مختلف ہو چکی تھی کہ نام کے سوا ان دونون

کوئی چیز مشترک باقی نہ رہی تھی، آخر آج آپ سے کوئی کہے کہ

"ہندوستان مین ایک فرقہ ایسا بھی پایا جاتا تھا، جس کی دینی زندگی اور مذہبی کاروبار کے نمایان عناصر یہ تھے، کہ جو مر چکے ہین، ان ہی کے ہاتھ تعلقات کو تازہ رکھنا اپنا سب سے بڑا مذہبی فرض خیال کرتے تھے، ان کی ہر آبادی مین ایک مرکزی قبر پائی جاتی تھی، زندگی کے مشکلات، اور عام حاجتون مین آبادی کی اسی قبر یا درگاہ کی طرف رجوع ہونا، خوشی اور غم ہر موقعہ پر درگاہ کی حاضری شادی کے موقعہ پر دولہا اور دولہن کی سواریون کو درگاہ پر لیجانا، سال بھر مین اسی دن جب دن صاحب قبر کی وفات ہوئی، خوشی منانا، ڈھول باجون کے ساتھ جلوس نکالنا، قبر کو غسل دینے کے لئے خاص اہتمام کے ساتھ ممتاز ہستیون کا سرون پر پانی لانا، صندل ملی کے بعد پانی کو قبر پر بہا کر اپنے ہاتھون بلکہ اپنی چوٹیون سے قبر کو دھونا، غسل کے بعد ہر سال اسی مرکزی قبر پر قیمتی سی قیمتی چادرون کا چڑھانا عطر اور طرح طرح کی خوشبوئیں ان چادرون کا بسانا، اور قبر کے سامنے دھونی دینا آبادی کے افراد کا قبر پر اپنی اپنی حیثیت سے نذرین چڑھانا، یہ اور اسی قسم کے قبری کاروبار ہی ان لوگون کا دین اور دھرم تھا،

قبری کاروبار کے اسی سلسلہ مین ہر سال ایک غیر معمولی تقریب شہرون اور قصبون ہی مین نہین بلکہ ان کے ہر ہر گاؤن مین اس طرح بھی منائی جاتی تھی کہ بجائے قبر کے دو بزرگون کی قبرون کا نمونہ کاغذ اور بانس کی ٹھٹھریون سے بنایا جاتا تھا، اور قبر کے اس نمونہ کو بہترین لباس پہنائے جاتے تھے، سہرا بھی قبر کے اسی نمونہ کے سر پر باندھا جاتا تھا، پھر آبادی کے مقررہ مقام سے مٹی لا کر دو قبرین ایسی بنائی جاتی تھین، گویا لاشون کے دو نمونے ہین، قبر کے نمونون مین لاشون کے ان خاکی نمونون کو دفن کرکے پھر ساری آبادی مین گھوڑون، ہاتھیون، اونٹون وغیرہ کے جلوس مین سواری نکالی جاتی تھی، نقارے، شہنائیان، بگل، قرنا، برق، الغرض دنیا بھر کے باجون

کے ساتھ گشت کراتے ہوئے اسی مقام پر لوگ پہونچتے تھے، جہان کی مٹی سے لاشون کے نمونے بنائے گئے تھے، اور اسی مقام مین اُن خاکی لاشون کو دفن کر دیتے تھے، اس سلسلہ مین ہر آبادی کے قبری نمونہ کا مقابلہ دوسری آبادی کے قبری نمونہ سے ہوتا تھا، دونون طرف سے مقابلہ مین کافی جوش و خروش کا اظہار کیا جاتا تھا، بعض دفعہ خونریزی کی نوبت بھی قبری نمونون کے مقابلہ مین آجاتی تھی، ہر بستی کے باشندے اپنی ضرورتین کا غذ اور بانس کی ٹھٹھریون کے ان ہی قبری نمونون پر پیش کر کے یقین کر لیتے تھے، کہ جو کچھ ہمین مانگنا تھا، مانگ لیا، اور ہماری ساری مرادین سال بھر تک پوری ہوتی رہین گی، جو اولاد سے محروم ہوتے سمجھتے تھے کہ ان کو اولاد عطا ہو گئی، اور جو روزی مانگتے تھے، خیال کر لیتے تھے کہ رزق کی ضمانت اُن کو مل گئی، ان قبری نمونون کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے بعد جو بچے پیدا ہوتے تھے، ان کو ہر سال خاص قسم کا لباس پہنایا جاتا تھا، کمر مین اُن کی زنجیر باندھی جاتی تھی، مور کے پر بھی سرون پر لگائے جاتے تھے، اور ایک گاؤن کے قبری نمونے کے گرد طواف کر کے دوسرے گاؤن، دوسرے سے تیسرے گاؤن تک طواف کرنے کے لئے یہی دوڑے پھرتے تھے، شربت کی مشکین بھی ان بچون پر لادی جاتی تھین، اور تقریب مین شریک ہونے والون کو وہ شربت پلاتے جاتے تھے، اس زمانہ مین خاص قسم کے کھانے گھرون مین پکتے تھے، کپڑون کو بھی خاص قسم کے رنگ مین رنگتے تھے"

اپنی حکومت کے زوال وانحطاط کے زمانہ مین ہندوستان کے مسلمانون کی اکثریت کی دینی زندگی پر جیسا کہ جاننے والے جانتے ہین، یہی رنگ جو غالب تھا، اس کو دیکھ کر دیکھنے والا مذکورۂ بالا الفاظ مین مسلمانون کی خصوصیتون کو اگر بیان کرے تو بتایا جائے، کہ غلط بیانی یا جہل کے الزام کو اس کی طرف عائد کرنا کسی حیثیت سے بھی صحیح ہو سکتا ہے،

پھر جن لوگون کے سامنے صابیون کے وہی نمونے پیش ہوئے، جو ایرانیون کی غلامی کے شکنجے مین جکڑے

ہوئے عراق کے بطائح وآجام مین جہل و وحشت کی زندگی گذار رہے تھے، جن غریبون کی اخلاقی زبون حالیان اس حد تک پہنچی ہوئی تھین کہ عباسیون کے عہد مین اُن کے صرف لکھنے پڑھنے ہی کے مواقع میسر نہ تھے، بلکہ کتابون مین پڑھیے، ان مین بڑے بڑے مصنفین، فلاسفہ، ہندسین اطبار مسلسل پیدا ہو رہے تھے، ان ہی صابیون مین بعضون کا اقتدار اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے متعلق لکھا ہے کہ

کان یجلس بحضرته فی کل وقت	اس کی مجلس مین وہی صابی شریک رہتا تھا،
ویحادثه طویلاً ویضاحکه	جو خلیفہ سے باتین کرتا ہنستا، ہوتا، اور
ویقبل علیه دون وزرائه	وزرار کے مقابلہ مین خلیفہ اسی کی طرف
وخاصته (القفطی ص ۱۱م)	متوجہ ہوتا،

مگر باوجود ان تمام باتون کے خود ایک عراقی صابی کا بیان ہے کہ جس کو مین بجنسہ اس کے الفاظ کے ساتھ القفطی کی تاریخ سے نقل کر دیتا ہون،

ولهولاء الصائبة من سوء	اخلاقی خرابیون اور باہمی بغض و عداوت
الاخلاق ومعاداة الاهل	مین ان صابیون کا یہ حال ہے کہ ان کے سوا
بعضهم بعضاً مالا یکون علیه	یہ حال کسی دوسرے کا نہین ہو سکتا، ان مین
احد غیرهم حتی لا یری منهم	دو آدمی بھی کبھی متفق اور میل ملاپ کے ساتھ
اثنان متفقین ولا مجتمعین بل	نہین رہ سکتے، بلکہ ہر ایک دوسرے کے متعلق
یسعی بعضهم فی بعض ویقبح	مین مخالفانہ کوششون مین سرگرم رہتا ہے،
کل واحد علی الآخر بکل	اور جہان تک ممکن ہے ایک دوسرے کی
ما یجد الیه السبیل،	بُرائی، اور عیب جوئی کے درپے رہتا ہے کوئی
(صفحہ ۲۶۰)	دقیقہ اس راہ مین اٹھا نہین رکھتا،

یہ بیان اس شخص کا ہے جو صابیون کے اسی خاندان کا ایک رکن تھا، جسے عباسی عہد مین غیر معمولی عروج و اقبال حاصل ہوا تھا، اس کا نام ابوالفضل تھا، مثلاً اُس نے اپنے حقیقی بھائی ابوالحسن الصابی کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مین ایک مہلک مرض مین مبتلا ہوا، بھائی سے میری صفائی نہ تھی، وہ مجھ سے ملتے تھے، اور نہ مین اُن سے، لیکن اپنے مرض کی تکلیف سے مجبور ہو کر اُن کو خط لکھا، اور بجاجت کے ساتھ عرض کیا کہ مجھے آکر دیکھ جائیے، اور میرا علاج کیجئے، میرے اس خط کو پا کر وہ آ تو گئے، اور علاج بھی کیا، لیکن جب میری حالت کچھ سنبھلی تو وہ چلے گئے، تندرست ہونے کے بعد مین لاٹھی ٹیکتے ہوئے، اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ایک دن اُن کے گھر پہنچا، ایک دریچے سے اُن کی نظر مجھ پر پڑ گئی، پکار کر بولے کہ

"ابوالفضل تم اپنے پاؤن واپس ہو جاؤ، میرا دل تم سے صاف نہین ہوا ہے، اور جیسے تعلقات تم سے منقطع تھے آیندہ بھی منقطع ہی رہین گے"،

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد ابوالفضل لکھتا ہے کہ اس بے رحم آدمی کے اس برتاؤ کو دیکھ کر میرا دل ٹوٹ گیا، اور مین ملے بغیر واپس چلا آیا،

وما دخل الیّ ولا دخلت الیہ	پھر نہ زندگی بھر مین ہی اُن کے یہان گیا،
مدّة حیاتہ (قفطی ج ۰ ص ۲۷۰)	اور نہ وہی میرے یہان آئے،

علم و فضل کے بعد جن کی یہ اخلاقی حالت تھی، تو اندازہ کرنا چاہئے کہ جہل و دحشت کے زمانہ مین ڈ کیا ہون گے،

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے مفسرین بیچارے ان صابیون کے متعلق کسی خاص نتیجہ تک نہ پہونچ سکے، بظاہر خیال گذرتا ہے کہ عراق کے قدیم باشندے کلدانیون، یا کسدانیون کی صحبت مین ستارہ پرستی اور آفتاب و ماہتاب کی مورتیون کی پوجا کا رواج ان مین ہو چکا تھا، پھر جب یہودیون اور عیسائی مذہب کے راہبون کی آمد و رفت اسلام سے پہلے عراق مین شروع ہوئی تو عیسوی دین کی

بھی کچھ چیزین ان کی دینی زندگی مین شریک ہو گئین، مثلاً وہ داؤد علیہ السلام کے زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے، جو بظاہر عیسائیون یا یہودیون کے میل جول کا نتیجہ تھا، اور اہلِ کتاب ہی کی صحبت مین غالباً وہ حضرت نوح، حضرت ادریسؑ اور دوسرے انبیار کے نامون سے واقف ہوئے، جب اُن سے کوئی پوچھتا تو کبھی اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کی اور کبھی حضرت ادریسؑ کی یادگار قرار دیتے، اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان مین سے بعضون نے باضابطہ عیسائی یا اہلِ کتاب کا دین قبول کر لیا تھا، آیندہ بھی اس کا ذکر آئے گا،

بہرحال میرا خیال ہے کہ اربابِ تفسیر تک اُن کے متعلق اسی قسم کی روایتین مختلف ذرائع سے پہونچتی رہین، اور ان ہی کو وہ کتابون مین درج کرتے چلے گئے،

مگر سوچنے کی بات یہ تھی کہ عراق کے یہ صابی جن کی حیثیت ایک مقامی فرقے سے زیادہ نہ تھی، اُن کی تعداد جیسا کہ بعضون نے لکھا ہے کہ ترکون کے زمانہ تک چند لاکھ سے آگے نہ بڑھ سکی تھی[1] اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانون نے عراق مین جس زمانہ مین اُن کو پایا ہوگا، شاید چند ہزار سے زیادہ نہ رہے ہون گے اور قرآن جس وقت نازل ہو رہا تھا، اس وقت اُن کی تعداد اور بھی کم، اور ناقابلِ لحاظ ہی رہی ہوگی، ایسی حالت مین کسی صورت مین بھی دنیا کی عالمگیر دینی اُمتون یا غیر معمولی شہرت رکھنے والی مذہبی قومون یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس کے ساتھ ایسے حقیر فرقے یعنی صابیون کے قرآن مین تذکرہ کی جو عراق کے ریگستانون مین غربت و افلاس، وحشت و بربریت کی زندگی گذار رہا تھا، آخر کیا وجہ ہو سکتی تھی، اور اگر قرآن بڑے چھوٹے ہر قسم کے دینی فرقون ہی کا ذکر کرنا چاہتا تھا، تو دنیا کے ہر حصہ مین بیشمار دینی فرقے اور مذہبی جتھے پائے جاتے تھے،

---

[1] ایک عراقی فاضل نے "الصابئہ" کے نام سے ایک مقالہ لکھا تھا جو کتابی شکل مین بھی شائع ہو چکا ہے، اپنے ذاتی معلومات کی روشنی مین عراقی صابیون پر انھون نے بحث کی ہے، افسوس ہے کہ اس وقت یہ کتاب میرے پاس موجود نہین ہے، اسی کتاب مین یاد آتا ہے کہ ترکون کے زمانہ مین عراقی صابیون کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں

ان سب سے قطع نظر کر کے صرف عراق کے اس مجہول اور غیر معروف فرقہ کے انتخاب کی کوئی وجہ نہ ہوسکتی تھی، اس قسم کی مقامی مذہبی ٹولیون سے تو دنیا بھری ہوئی تھی، اس لئے اگر ان عراقی صابیون کو قرآن کے صابئین کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآن کے ان "الصابئین" کو ہم کہان ڈھونڈھین،

آیئے، جو مواد اور معلومات اس سلسلہ مین اب تک فراہم ہوئے ہین، اسے پیش کئے دیتا ہون ممکن ہو اس سے کسی نتیجہ تک پہنچنے مین کچھ مدد ملے،

اس سلسلہ مین پہلی اطلاع اسی المسعودی کی ہے، جس نے لکھا ہو کہ عراق کے صابیون کا نحلہ (دینیا دھرم) دوسرے صابیون سے مختلف ہو، اپنی کتاب مروج الذہب مین ایک مقام پر اس کا تذکرہ کرتے ہوے لکھتا ہے کہ

"ہندوستان اور چین کے اکثر باشندون کا خیال تھا کہ خالق کائنات خود بھی ایک جسمانی وجود ہے، اور فرشتے (ملائکہ) بھی جسمانی ہیکل رکھنے والی ہستیان ہین، خدا اور اُس کے فرشتے پر اُن کا اعتقاد تھا کہ آسمانون مین چھپے ہوئے ہین، اسی اعتقاد اور خیال نے اُن کو اس پر آمادہ کیا کہ خدا خالق کائنات اور اس کے فرشتون کی مورتیان تراشین، انھون نے خدا کی بھی مورت ڈھالی، اور فرشتون کی بھی، ان کی مورتیان، مختلف شکل وصورت اور قد کی کی بنائی گئی تھین، جن مین بعضون کی صورت تو انسانون کی اور بعضون کی شکلیں غیر انسانی تھین، اُن مورتیون کے لئے قربانیون کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے، اور خاص خاص قسم کی نذرین ان کے لئے مقرر کی گئین،"

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷) بتائی گئی تھی، بہرحال ہزار بارہ سو سال بعد عراق کے ایک غیر مشہور فرقہ کی شکل مین ان کا رہجانا یہ خود دلیل ہو کہ اتنے طویل عرصہ مین بھی اُن کو بڑھنے پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکا، اس مقالہ مین بھی قرآن کی الصابئین ان ہی عراقی صابیون کو قرار دیا گیا ہے،

اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ ان مورتیون کے بعد آفتاب، ماہتاب، ستارون اور سیارون کی پرستش کا رواج بھی ان مین ہوا، اور اُن کی بھی مورتیان بنائی گئین، اور ہر مورتی کے لئے خاص خاص قسم ہیکل یعنی مندر اور دیول تعمیر کئے گئے، جن کا نام ان ہی ستارون کے نام پر رکھا گیا، یہ اور اسی قسم کی تفصیلات کے بعد المسعودی نے جو بیان کیا ہے اسی کا پیش کرنا مقصود ہے،

فلم یزالوا علی ذلک حتی ظھر بوداسف بارض الھند، وکان ھندیا؛

(مروج جلد ۵ ص ۶۳ بر کالی)

ہندوستان وچین کے باشندے ان ہی حالات مین تھے کہ سرزمین ہند مین ایک شخص بوداسف نامی ظاہر ہوا، جو خود ہندوستانی تھا،

اس کے بعد یہ لکھ کر کہ ہندوستان کے سوا بوداسف کا اثر سندھ، سیستان، زابلستان، کرمان وغیرہ وغیرہ تک کیسے پہنچا، یہ بھی اطلاع دیتا ہے کہ

وزعم انہ رسول اللہ وانہ واسطۃ بین اللہ وبین خلقہ،

(؍؍)

بوذاسف نے دعوی کیا کہ وہ اللہ کا رسول ہے، خدا اور اس کے بندون کے درمیان وہ واسطہ ہے،

پھر اس قسم کی باتون کا تذکرہ کرتے ہوے کہ بعض لوگ کہتے ہین کہ ہندوستان کا یہ بوذاسف ایرانی بادشاہ طہمورث کے زمانہ مین پیدا ہوا، اور بعض کہتے ہین کہ جمشید کے عہد مین ظاہر ہوا، آخر مین اس واقعہ کا انکشاف کرتا ہے کہ

وھو اول من اظھر مذھب الصابئۃ

(؍؍)

بوذاسف ہی پہلا آدمی ہے جس نے پہلی دفعہ صابئہ کے دین کو ظاہر کیا،

بوذاسف کے دین کی اصل روح المسعودی نے ان الفاظ مین درج کی ہے،

کان بوذاسف امر الناس بالزھد

بوذاسف لوگون کو زہد (یعنی) دنیا سے

فی هذا العالم ولا اشتغال بما علا من العوالم اذ کان من هنالک بدئ النفوس والیها یقع الصدر من هذا العالم،

(مروج برکامل ج ۲ ص ۱۴)

بقدر ضرورت (استفادہ) کا حکم دیتا تھا، اور یہ کہ اپنی توجہ کو لوگ برتر و بالا جہانوں کی طرف مرکوز رکھیں، کیونکہ عالم بالا ہی سے جانوں کا آغاز ہوا، اور پھر پلٹ کر اسی عالم بالا کی طرف لوگ جائیں گے،

وہ لوگ جو اس سے واقف ہیں کہ بوذاسف بودھا کے لفظ کا عربی تلفظ ہے، عربی کتابوں میں بودھا کا ذکر بوذاسف ہی کی شکل میں کیا جاتا ہے" وہ المسعودی کی اس اطلاع کا مطلب بھی سمجھ سکتے ہیں، اور یہی ان کو سمجھنا چاہیے کہ بودھا نے جس دین اور دھرم کی دعوت دی تھی، اسی دین کے ماننے والوں کو صابئہ کہتے تھے،

چونکہ المسعودی نے براہ راست ہندوستان کی سیر کی ہے اپنی اسی کتاب مروج الذہب میں متعدد مقامات پر اُس نے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے، مثلاً ایک موقعہ پر اُس نے لکھا ہے کہ

ولقد حضرت ببلاد صیمور من بلاد الهند ....وذالک فی سنة اربع وثلثمائة (ج ۳ صفحہ ۵۶)

میں ہندوستان کے علاقہ صیمور میں ۳۰۴ھ میں حاضر ہوا،

اس کو اس ملک کے عوام و خواص بلکہ حکمرانوں سے بھی ملنے جلنے کے کافی مواقع حاصل ہوئے ہیں اس لئے بودھا کی صحیح تعلیم کو درج کر کے اس نے انقلابات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جن کا بودھ مذہب بعد کو شکار ہوتا رہا،

میرا مطلب یہ ہے کہ بوذاسف یعنی مہاتما بدھ کے بعد بدھ متی کے ماننے والوں کے متعلق کتابوں میں اس قسم کی خبریں جو دی گئی ہیں کہ

"مہاتما بدھ کو معبود انکرائن کی عبادت کی تعلیم دی جانے لگی، اور مورتیاں بننے لگیں!

پھر ۲۴ ماضی، ۲۴ حال، اور ۲۴ مستقبل کے بعد بدھوں کی تخلیق کی گئی،

اتنا ہی نہیں، بودھی ستووں، اور بے شمار دیویوں کو بھی، وجود میں لایا گیا، اور سیاہی کی مورتیں بننے لگیں"

(قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب)

بدھ متی کے ان انقلابی اور تحریفی پہلوؤں سے بھی المسعودی واقف نہیں ہے، اس نے لکھا ہے!

" مورتیوں کی پوجا کا طریقہ بھی ان میں جاری ہوا، اس سلسلہ میں مختلف حیلوں اور مخفی تدبیروں سے کام لیا گیا" (ص ۴)

(باقی)

لہ اس وقت المسعودی کا جو مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ فاحش اغلاط سے معمور ہے، عموماً قرینہ اور قیاس ہی سے صحیح الفاظ سمجھ میں آتے ہیں، اس موقع پر بھی عبارت کچھ اس طرح چھپ گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ جس نے توحید کی تعلیم دی تھی، خود اسی نے مورتی پوجا کے طریقہ کو بھی جاری کیا، علاوہ تناقض کے واقعہ کی یہ صحیح تعبیر بھی نہیں ہے، مطبوعہ نسخہ میں ہے کہ جد دبوذاسف عندالناس عبادة الاصنام بظاہر جد د کی جگہ بعد کا لفظ چاہیے تو یہی کہ اصل کتاب میں ہو یعنی بوذاسف کے بعد بدھ متی کے ماننے والوں کو عبادة الاصنام (مورتی پوجا) کی طرف مائل کیا گیا

معارف :۔ مروج الذہب کے پیرس کے مطبوعہ نسخہ میں بھی جس کی تصحیح پروفیسر مینارڈ اور پروفیسر کورتل نے کی ہے، بعینہٖ یہی عبارت ہے، اس لئے اس کو طباعت کی غلطی پر محمول نہیں کیا جا سکتا، مسعودی کا خیال یہی [illegible] ہوگا اور اس بارہ میں اس کو یہی معلومات پہنچے ہوں گے،

غنچۂ شاہی

از

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان - ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی پروفیسر اردو کالج، کراچی،

غنچۂ شاہی عجیب و غریب تخلص ہے ایک فارسی شاعر کا، جس کے نادر کلام کے چند اوراق مجھے مولانا راشد برہان پوری کے کتب خانے سے حاصل ہوئے ہیں، اس شاعر کا ذکر انڈیا آفس اور ریو (Rieu) کی فہرستوں میں یا تذکرۂ روزِ روشن اور دیگر بھوپالی تذکروں میں کہیں نہیں ملتا، لیکن لفظ "شاہی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق احمد آباد گجرات سے ہوگا، کیونکہ وہاں کے بزرگوں کی کئی کتابوں میں حضرت شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء) کی نسبت سے یہ لفظ نام کا جزو بن گیا ہے مثلاً حجاتِ شاہی (از حضرت شاہ عالمؒ) روضاتِ شاہی (از سید جعفر بدر عالمؒ) لطائفِ شاہی (از سید محمد مقبولِ عالمؒ) حکایتِ شاہی (از شیخ سراجؒ) وغیرہ، شاعر کے کلام میں اسی سلسلے کے بزرگ ماہ جیو[1] کا ذکر بار بار آتا ہے،

مثلاً
شاہِ عالم ماہ جیو در بختِ ما افزون شدہ — صبغت اللہ مہر بالای ودا موزون شدہ

[1] "جیو" کئی بزرگوں کے نام کے ساتھ آتا ہے، تذکرۂ اولیائے دکن (عبدالجبار ملکاپوری) کے صفحہ ۲۲، میں شہر مانڈو کے شاہ میان جیو (المتوفی ۸۶۶ھ) اور ص ۲۵ میں برہان پور کے شیخ ابو جیو تمیمی (المتوفی ۹۹۲ھ) کا ذکر آتا ہے، لیکن جیو کسی خاص صوبہ کی زبان پر نہ تھا، بلکہ عام طور پر جی کی جگہ بولا جاتا تھا، انشا نے اپنے کلیات (مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۶ء) میں "شیخ جی" کی جہاں جہاں خبر لی ہے وہاں "شیخ جیو" ہی لکھا ہے، مثلاً

عالمِ تزویر میں ہے شیخ جیو صاحب کی ذات — مقتدائے و مرشدِ عالی جنابِ عنکبوت (ص ۳۹)

خاک پائے ماہ جیو را طوطیا سازم بچشم — اے مسلمانان دوائے درد بے درمان کنید
ماہ جیو را شاہ سازم تختِ او بر سر کنم — دیدہ را در پائے او مالم قدش را زر کنم

یہ ماہ جیو[1] حضرت سید جلال الدین ابو محمد ماہ عالم رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۹ھ تا ۱۰۱۳ھ) معلوم ہوتے ہیں، جن کا ذکر خاتمۂ مرآۃ احمدی (مرتبہ پروفیسر نواب علی ص ۴۰-۴۱) میں اس طرح آتا ہے :-

"سید جلال الدین ابو محمد ماہ عالمؒ

سید جلال الدین ابن سید حسن ابن سید احمد عبدالغفور ابن سید احمد ابن سید راجو ابن حضرت شاہ عالمؒ، ولادتِ ایشان ششم ذی قعدہ سال نہ صد و پنجاہ و نہ است، والدۂ ایشان خوندا گوہر بنت ملک خضر بود، ذاتِ حق نگر ایشان بہر دور زمان واسطہ انتظام و رابطۂ التیام سلسلۂ علیہ شاہیہ و باعثِ رونق این خانوادہ شدہ و بعد انقلاب بسیار سال تسخیر اکبر بادشاہ شہر احمد آباد در ایام خانِ اعظم نائب شہر سجادگیِ آستانۂ علیہ شاہیہ بر ایشان مقرر شد، ایشان مرید و خلیفۂ حضرت شیخ محمد ابن احمد ابن سید عرب شاہ ابن حضرت سید راجو قدس سرہم بودند، و طریقۂ سلوک پیشِ ایشان باتمام رسانیدہ بودند و درس از میان وجیہ الدین مولوی ہم گرفتہ اند، و خوارق عادات از ان حضرت بسیار مذکور و منقول اند، آوردہ اند کہ روزے سید ابو تراب شیرازی ضیافت کردہ بودند

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲)

بتاتے ہیں ہم تم کو کیا شیخ جیو، — ذرا آنے دیجئے تو ہولی کی رُت (ص ۳۱)
گرے جو جد سے عشرت کے شیخ جیو تو لگی — کمال شانہ ملا ابو الفراغ کو چوٹ (ص ۳۹)

[1] حضرت ماہ عالمؒ اور ان کے بزرگ حضرت شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ حضرت مخدوم جہانیان جہان گشت سید جلال بخاری رحمۃ اللہ (۷۸۵ھ/۱۳۸۳ء) سے ملتا ہے، یعنی حضرت شاہ عالمؒ ابن حضرت عبداللہ قطبِ عالمؒ ابن حضرت جہانیان جہان گشتؒ،

چنانچہ اکثر بزرگان مدعو بودند، سید جلال ہم تشریف فرمودند، چون ایام سرما بود، ہمہ زمستانی پوشیدہ آمدند، ایشان زمستانیِ خود را بہ سائلے عنایت فرمودہ با پیراہن یک لا در مجلس تشریف بردند چون ہوا بغایت سرد بود، سید امین محمد وزیر خاصِ سید جلال را صاحبِ ضیافت بطریق کنایت گفتند کہ دوشالہ برائے سید بیارید کہ ہوا بغایت سرد است، سید امین محمد از مجلس برآمدہ متحیر ماندند کہ دوشالہ از کجا بیارند در سرکار خود بالفعل حاضر نیست، درین اثنا یکے از مریدان پیش سید محمد امین آمدہ دوشالہ آورد وگفت این را برائے سید نیاز آوردہ ام: و از دیر ایستادہ ام، سید محمد امین آوردہ بر حضرت پوشانیدند، و بعد انقضا، ماجرا را نقل کردند، ہمت و سخاوت فطری وجودِ جبلّی بر تبہ بود کہ در تحریر نگنجد از بس سخاوتِ ظروف ولباس در خانہ نمی ماند، نصف شب چہار دہم ذی قعدہ بعد از سہ سال بر ہزار وصال آن حضرت شد، و نور از جہان رفت، افصاح سالِ وصال می کند قبر[1] ایشان گنبد شاہی در بلی علاحدہ واقع است"

شاعر کے کلام میں گجرات کے ایک بزرگ "میر عرب" کا ذکر بھی آتا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام بعد میں کسی مرتب نے شامل کیا ہے، کیونکہ خاتمۂ مراۃ احمدی (مرتبۂ پروفیسر نواب علی ص ۸۰، ۸۱) میں حضرت شیخ محی الدین ابو یوسف یحیٰی چشتیؒ ابن شیخ محمود بن شیخ محمد چشتیؒ کے سلسلے میں میر عرب کا ذکر اس طرح ہے:-

"حضرت شیخ را میل طرف مولود و سرود و سماع بسیار بود، چنانچہ معمولِ خاندانِ چشتیہ است در اعراس و مجالس بزرگان ہمیشہ مولود و سرود بے مزامیر می شد، چون تقید پادشاہ (اورنگ زیب) درین امور بسیار بود، بنا برین میرزا باقر محتسب از ہمہ مولود خوانان و سرود گویان مچلکہ گرفتہ کہ ہیچ جا مولود نخوانند و سرود نگویند، و این معنی از آن وقت از ہمہ جا موقوف شدہ مگر در

---

[1] غالباً یہ مقام کسی اونچے ٹیلے پر واقع ہے، کیونکہ غنچۂ شاہی نے ایک جگہ کہا ہے :-

بزمِ کوہِ عجب بارگے می بینم | کوہ طور است، مگر موسیٰ عمران این جاست

خانقاہِ شیخ کہ ہمیشہ مولود می شد، این معنی بر محتسب و مردمان دیگر بسیار شاق می آمد، چنانچہ یک روز محتسب قرار کردہ کہ مولود خوانان را از خانقاہِ شیخ گرفتہ بیارد و تنبیہ و تادیب نماید، بہ ارادۂ فاسد آمدہ، بخانۂ میر عرب نشست، چون این خبر بشیخ رسید ایشان مریدانِ خود را فرمودند کہ ہمہ مستعد و مسلح نشینند اگر محتسب ارادۂ این طرف نماید، بزنند، و خود ہم تیغہ گرفتہ نشستند، چون این خبر بہ میر عرب و محتسب رسید، میر عرب گفت، من اول رفتہ شیخ را بفہمانم، اگر قبول کنند فبہا والا شما دانید و کار شما، چنانچہ میر عرب بخدمتِ شیخ آمدہ اظہار کردند کہ محتسب بہ این ارادہ آمدہ است، لہٰذا بہتر آنست کہ چند روز این امر موقوف باشد و حکم پادشاہ طلبیدہ اجرا خواہند فرمود، شیخ از استماع این معنی بسیار برہم شدہ فرمودند، کیست پادشاہ؟ منم ہر گاہ می خواہم بتخت می نشانم برو و محتسب را بگو کہ زود بیاید، میر عرب برخاستہ آمد و ماجرا پیش محتسب اظہار نمود، وگفت الحال این حرف پیش رفت نخواہد شد و ہنگام عظیم برپا خواہد گردید مصلحت آنست کہ بوقتِ دیگر موقوف باید داشت، چون محتسب ہم دانست کہ پیش رفت نخواہد شد، برخاستہ بخانۂ خود آمد۔ شیخ این ماجرا چند بار نوشتہ پیشِ پادشاہ بمعرفت شیخ عبداللہ پسر شیخ نظام فرستادہ، اما عبداللہ مذکور از راہ گہند رساختِ مدعیانِ شیخ خطوط بپادشاہ نرسانید، آخرش شیخ خطوط بمعرفت میر سید علی رضوی خان فرستادہ ایشان بخدمتِ پادشاہ گذرانیدند، پادشاہ خط را بوسہ داد و بر سر گذاشتہ معذرت بسیار نوشت و چہار مراسلات حسب الحکم یکے بنام راجہ جسونت سنگہ کہ در آن وقت ناظم این جا بود و یکے بنام نظام الدین احمد کہ دیوان بود و یکے بنام میر بہاء الدین و یکے بنام قاضی محمد شریف فرستاد کہ میرزا باقر محتسب را بتاکید تمام منع نمایند کہ بار دیگر گردِ این افعال نگردد، و در مسئلہ مختلف فیہ احتساب ننماید، و ہر چہار بخدمتِ شیخ رفتہ معذرتِ این امر از طرف بادشاہ نمایند و یکہزار روپیہ و چہار تولہ عطر بخدمتِ شیخ گذرانند، چنانچہ ہر چہار شخص بموجب حکم پادشاہ محتسب را زجر و منع نمودہ بخدمت شیخ

آمدہ معذرت کردند، و مرسولۂ پادشاہ گذرانیدند، بعد ازان ہیچ کس برائے مولود و سماع مزاحم ہیچ کس نہ شد"

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر عرب کا اثر کسی حد تک حکام پر بھی تھا، اور اُس زمانے کے اہل شہر سے بھی اُن کا تعلق تھا، لیکن یہ بزرگ ہمارے شاعر کے بعد ہوئے ہین، اُن کی تاریخ وفات جو مخطوطہ اعراس نامہ (مملوکہ جناب قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی) مین ملتی ہے، وہ اردو کے مشہور شاعر ولی گجراتی کے ایک عزیز شاہ یحیٰی کی لکھی ہوئی ہے، اور وہ اس طرح ہی :-

"میر عرب قادری تاریخہ از شاہ یحیٰی" :-

بے مثل بود میر عرب = ۱۱۱۶ھ (۲۰ رشوال المکرم)"

میر عرب احمد آبادی گجراتی کے متعلق تفصیل کسی اور جگہ نہ مل سکی، لیکن اس تاریخ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ غنچۂ شاہی کا زمانہ[1] میر عرب قادری سے پہلے رہا ہوگا، کیونکہ مقدم الذکر کے ممدوح حضرت ماہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال میر عرب سے ۱۱۳ سال پہلے یعنی ۱۰۰۳ھ مین ہوا تھا، اور شاعر کے کلام کی ترتیب بھی کچھ اسی طرح اندازہ ہوتا ہی کیونکہ مرتب نے یون لکھا ہے :-

"غنچۂ شاہی فرماید"،

دیدۂ چرخِ فلک را خار می باید کشید   تیر زہر آلود در منقار می باید کشید

ولہ جواب   دردِ دل را از برائے یار می باید کشید   عاشقانِ بوالہوس را دار می باید کشید

ولہ جواب   سر مسا اندر دو چشم یار می باید کشید   زخم را از دستِ آن غمخوار می باید کشید

---

[1] حضرت ماہ عالمؒ کا انتقال ۱۰۰۳ھ مین ہوا، غنچۂ شاہی کا ایک شعر ہے،

ماہ جیو را من دہم خط غلامی بر غلا   صاحبِ من ماہ جیو در جنت الماویٰ شدہ

اس شعر سے ظاہر ہی کہ شاعر کی زندگی مین حضرت ماہ عالم نے وفات پائی تھی، لیکن شاعر کے انتقال کی تاریخ معلوم نہین ہے،

ولہ جواب   دیدہ را ہر دم بہ زلفِ یار می باید کشید   در تماشا منت از دلدار می باید کشید

ولہ جواب   زخم خنجر از نگاہِ یار می باید کشید   از وجودِ خویشتن انکار می باید کشید

جواب میر عرب :-

رشتہ ہائے جانِ خود در تار می باید کشید   مہرۂ تسبیح را زنار می باید کشید

دست را در قالبِ جان نہ گذر از جانِ خود   مردہ را گر زندہ سازد یار می باید کشید

یہان "غنچۂ شاہی فرماید" اور اس کے بعد "جواب میر عرب" (جو شاعر کے اشعار کے جواب مین ہی) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر پہلے گذرا ہے، جس کے جواب مین میر عرب نے یہ دو شعر لکھے ہون گے، اس کے باقی اشعار بعد مین آئین گے

کلام مین ایک غزل "مرزا مظفر" سے بھی متعلق ہے، اور وہ اس طرح ہے :-

تعریفِ مرزا مظفر۔

یک دو سہ تیرے بخدمت شد روان از دستِ شمع   روز و شب مست عزائید بلبلان از دستِ شمع

گر روی روزے شکار از بہر آہوے نگار   از نگاہت داغ کردند آہوان از دستِ شمع

شمعِ رخسارِ ترا بینند و جان قربان کنند   شربتِ تیر ترا نوشند بجان از دستِ شمع

آہوے چین را فتد آخر گذر با تو نظر   نافہ در رو ہم انگندا ای دلستان از دستِ شمع

آہوان لب تشنۂ تیرت شدہ در کوہ و دشت   ماہیان در بحر یا دار و فغان از دستِ شمع

غنچۂ شاہی ست دایم در فراقِ آہوان   شد کباب آخر مظفر در جہان از دستِ شمع

یہ مرزا مظفر کون تھے؟ تیقن کے ساتھ نہین کہا جا سکتا، یون تو ایک مشہور مرزا مظفر، اکبر کے داماد تھے، جن سے سکینہ منسوب تھین، اور جن کا تعلق دکن سے تھا، یہ وہی مظفر تھے جن کو برہان پور کے راجہ علی خان فاروقی نے گرفتار کر کے اکبر کے پاس بھیجا تھا، لیکن شاعر کے کلام مین کوئی اور چیز ایسی نہین ملتی

جس سے ثابت ہو سکے کہ یہ وہی مظفر تھے[1]،

شاعر کے کلام مین متعدد مقامات پر حضرت ماہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خاندان والون سے عقیدت کا اظہار پایا جاتا ہے، اور اس شاعر کے کلام مین صرف یہی خوبی ہے، ورنہ فن کے لحاظ سے اُس کی شاعری بہت خام ہے، اور وہ عروض مین عوام کے تلفظ کا تابع نظر آتا ہے، مثلاً ایک غزل کی ردیف مین "سلام علیک" جو مفاعیلن کے وزن پر ہے،

روے تو ہمہ گلگون اے یار سلام علیک | زلفِ تو ہمہ مفتون اے یار سلام علیک
ماہ تو ہمہ سیحون عشق تو ہمہ جیحون | ہر روز منم در خون اے یار سلام علیک
نام تو ہمہ موزون ستار توئی بیچون | با نام تو ما مجنون اے یار سلام علیک
اے شاہ توئی ذوالنون ہستی ہمہ جا ہامون | عالم ہمہ شد پُر خون اے یار سلام علیک
اے طالعِ تو میمون فرمان بر تو محزون | جانہا ہمہ در گردون اے یار سلام علیک
ما را نہ کنی بیچون از درگہِ خود بیرون | ہستیم بجان ممنون اے یار سلام علیک
ہر روز توئی میگون اے شاہ ہمہ مجنون | شد غنچۂ شاہی خون ای یار سلام علیک

ایک موقع پر "سلام" پیش" کرتا ہے، اس مین بھی کئی جگہ عروض کی پابندی نہین ہے، مثلاً شعر ۲، ۳ مین)

السلام اے شاہ با جود وکرم | بر کفِ پایت بود فرقِ سرم
السلام اے قبلۂ عالم پناہ | جایت اندر روضۂ بیت الحرم
السلام اے حضرتِ والدہ جیو | خاکِ پایت ما بہ دُرہا می خرم
السلام ہمشیرۂ دنیا و دین | دستِ ما و دامنِ تو در حرم

[1] اکبری عہد کے سلطان مظفر یا مظفر بادشاہ کا ذکر خاتمۂ مراۃ احمدی ص ۵۰ مین اس طرح آتا ہے کہ اس نے اکبر کے ماتحتون سے احمد آباد چھین لیا تھا، لیکن غنیمین شاہ مجذوب کی بددعا سے اُسے شکست ہوئی اور مارا گیا،

السلام اے ہمنشینِ فاطمہؓ | آہ نومیدی کشم این بار دم
السلام اے عمدۂ اہلِ بشر | پاسبانت می شوم گر قیصرم
السلام اے مشعلِ دنیا و دین | لطف فرما دم قدم نہ بر سرم
السلام اے پادشاہ بحر و بر | مثلِ پروانہ بکویت بر دوم
السلام اے فخر و تاجِ ما ہمہ | از غلامانِ درت من کمترم
السلام اے محرمِ اسرارِ حق | نیز خدلان ما مزن اندر برم
السلام اے من غلامت را غلام | کے بمانی تاجِ شاہی بر سرم
السلام آئینہ روے خداے | گر قبول افتد زجان می پرورم
السلام اے عیدیٔ شاہِ عظام | من شدم قربان زجان قربانِ تو ام
السلام اے قابلِ درگاہِ حق | غنچۂ شاہی ست اندر در حرم

چوتھے اور پانچوین شعر مین "ہمشیرۂ دنیا و دین" اور "ہمنشینِ فاطمہؓ" سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممدوحہ حضرت ماہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی عزیزہ ہون گی،[1] ایک دوسری غزل مین بھی اسی طرح ہے،

اے محب چار یار ہمشیرۂ عالی کلام | من سگِ اصحافِ کہفم خویش را بے سر کنم
قبلہ گاہا حضرتِ بی بی کلانت پیر ما | در قدم گاہ سگانت خویش را کمتر کنم

"بی بی کلان" کا نام اور حال مجھے کہین نہ مل سکا اور شاعر کے کلام مین بھی صرف انہی مقامات پر آتا ہے،

[1] خاتمۂ مراۃ احمدی (ص ۹۰) مین حضرت ماہ عالمؒ کی والدہ کا نام خوند گوہر بنت ملک خضر آتا ہے، اور اُن کی اہلیہ کا نام (ص ۹۱) بیگم منت بنت سید نصر اللہ ملتا ہے، اس "سلام" مین لفظ "ہمشیرہ" خود ہندوستانی ہے اور شاعر جس درجے کا ہے اُس کا اندازہ ہر غزل سے ہوتا ہے تاہم وہ کہتا ہے،

در ازل غنچۂ شاہی شدہ در ہند اسیر | دل ز بار تو از ین گنبدِ ویران مطلب

اس کے علاوہ کلام مین ایک اور چیز ملتی ہے، وہ یہ کہ شاعر کا تخلص غنچۂ شاہی کے علاوہ خدنگی بھی تھا، یہ تخلص صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے، یعنی مجموعے کی پہلی غزل مین ہے، جس کے اوپر "کلام غنچۂ شاہی" لکھا ہوا ہے، وہ غزل یہ ہے،

اے خداوندے کہ اول نور ایمان آفرید ۔۔۔ در شبِ تاریک بنگر ماہِ تابان آفرید

نور او در صفِ گردون ساخت چون قندیلِ زر ۔۔۔ بعد ازان رخشندہ او در چرخ تابان آفرید

کردہ چون بر آدم خاکی بصورت یک نظر ۔۔۔ ہم بمعنی در تنِ خاکی او جان آفرید

گفت ملائک را روان شو آدمی را سجدہ کن ۔۔۔ طوقِ لعنت در جہان از بہر شیطان آفرید

(کذا)
آدم بیچارہ را چون از برائے گندمے ۔۔۔ کرد بیرونش ز جنت پیرِ دہقان آفرید

ہمچو یونسؑ در میان بطنِ ماہی جائے داشت ۔۔۔ از برائے نوح بنگر بادِ طوفان آفرید

سوزنے ما سند راہ عیسیٰؑ مریم بنہاد ۔۔۔ در چہارم آسمانش گرد دوران آفرید

ارہ را در فرق زکریائے پیغمبر نہاد ۔۔۔ در تنِ ایوبؑ مسکن بہر کرمان آفرید

کارد را در حلق اسماعیلؑ پیغمبر فگند ۔۔۔ از برائے این ترانہ عید قربان آفرید

(کذا)
ای خدنگی ہمچو بلبل نالہ ہائے زار کن ۔۔۔ بلبلِ طبعِ ترا چون باغ گلستان آفرید

بس اسی غزل مین "خدنگی" تخلص آتا ہے، اس کے بعد بغیر کسی ترتیب کے اس شاعر کی غزلین شروع ہو جاتی ہین جن مین متعدد عروضی خامیان بھی ہین لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ خامیان کاتب کی غلط کتابت کی وجہ سے ہون، کیونکہ جو نسخہ ہمارے پاس ہے، وہ بہت بد خط اور بہت غلط ہے، بہر حال یہ کلام نایاب ہے، اور خود ہمارے شاعر کا تخلص بھی عجیب و غریب ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی بقیہ غزلین بھی یہان پیش کر دی جائین،

غزل نمبر (۱) :-

اے خداوندے کہ اول نور ایمان آفرید ۔۔۔ در شبِ تاریک بنگر ماہِ تابان آفرید

(یہ غزل اوپر گذر چکی ہے)

(۱)

دل بغیرِ حق نہادی یار رنگین دل چرا ۔۔۔ می دہی آتش بجان اے ابر دریا دل چرا

کشت گاہ آخرت اینجاست دیگر نیست جائے ۔۔۔ چون تو می کاری مگر غمہائے بے حاصل چرا

در وجودِ خود بکن کشتِ مرقع بیدریغ ۔۔۔ تر شدہ آن جانمی گیری تو اے بیدل چرا

در کدورت خانہ دنیا مشو رسوا بگیز ۔۔۔ در پئے نفس ہوا بودن ہمہ مائل چرا

بیشہ ہائے خار زہر آلود از ما بہتر است ۔۔۔ وقتِ خفتن رو نمی آری تو در منزل چرا

چشم خون بار مرا ہر روز می بندد فلک ۔۔۔ در سرائے لی مع اللہ ماندہ باطل چرا

ذرہ آدمی تواند عالمے را آب داد ۔۔۔ وایما در روشنائی این ہمہ غافل چرا

نیست دائم غنچۂ شاہی خلاص از درد و غم ۔۔۔ در چہ ناپاک ماندی تا ابد جاہل چرا

(۲)

سبزۂ نورستہ را ماند ہمیشہ یار ما ۔۔۔ بردمد صبحِ سعادت بر رخِ گلزار ما

از شعاعِ نور او عالم منور گشتہ است ۔۔۔ تا قیامت بیش باشد رونقِ بازار ما

بختِ ما باشد کہ در کوے سگانش جان دہم ۔۔۔ شاید افتد گذارش جانبِ سرکار ما

شاہِ عالم جانِ عالم ماہ و جیو را من غلام ۔۔۔ من غلامِ کمترین و ماہ جیو سردار ما

بشگفان بادِ صبا این غنچہ ما از روے لطف ۔۔۔ ہمچو زلفش تا بما افتادہ اندر کار ما

شاہ عیسیٰ دم نگر بر خستگانِ کوے خود ۔۔۔ مشکلے بر من فتاد آسان بکن دشوار ما

ہمچو کم طالع شدم از من سگانش عار کرد ۔۔۔ خطا آزادی نہ دادی اے مہ غمخوار ما

خانمان غنچهٔ شاهی خراب اندر خراب
کن به سیلاب غمت ویران ز جان عیارها

(۳)

پاکی طینت خود را تو ز انسان مطلب
غیر نوشیدن زهراب ز ایشان مطلب

آب از تلخی الماس بکامت نفگن
راحت هر دو جهان نیست تو آسان مطلب

صفحهٔ روی تو در مجمع بحرین بس است
از لیئمان جهان صفرهٔ ایمان مطلب

از دولت روغن زیتون بکشش وا ه
تیغ بر سینه بزن نعمت الوان مطلب

گردش چرخ فلک شیشهٔ مینا کارست
شیشه بر سنگ مزن آب ز عمان مطلب

گر بخواهی تو به آن کوچهٔ دلدار رسی
عیش و خوبی تو درین گوشهٔ ایوان مطلب

گوشه‌گیر ترا هیچ کسی نشناسد
خواب از دیده مکن بانگ ز مرغان مطلب

در ازل غنچهٔ شاهی شده در هند اسیر
دل ربا را تو ازین گنبد ویران مطلب

(۴)

ساقیا وقت سحر جام شرابم آرزوست
وقت مستی نغمهٔ چنگ و ربابم آرزوست

نیست در مجلس طراوت از شراب از کباب
از برای دیدن دلبر شبابم آرزوست

چون رخ دلبر نه دیدم شد جهان بر من سیاه
در شب تاریک وصل ماه تابم آرزوست

خون دل ریزم ز هجران صنم از چشم خویش
یک زمان با یار خود حرف خطابم آرزوست

غنچهٔ شاهی چو دارد آرزو از وی سوال
از لب میگون آن دلبر جوابم آرزوست

(۵)

خانه امروز بهشت است که رضوان اینجاست
وقت بیرون جا نیست که جانان اینجاست

مست اگر نقل طلب کرد میا زارد برد
مغز بادام تر و پستهٔ خندان اینجاست

شکر از ملک بدخشان بجهان ارزان است
به حدیث لب شیرین شکرستان اینجاست

کلبهٔ تیرهٔ این رند گدا شاه نشین
گشته با مرتبه امروز که سلطان اینجاست

چه غم از محتسب و شحنه و غوغا کامروز
خواجهٔ کون و مکان صاحب قرآن اینجاست

بر سر کوه عجب بامگهی می بینم
کوه طور است مگر موسی عمران اینجاست

بعد ازین غم مخور از گردش ایام جنون
در دل غنچهٔ شاهی ست که قرآن اینجاست

(شاه عالم در فراقت زاری سازی تو چند
آرزو دارم که افتم از نگاهت در کمند)

(۶)

از کرم در دل من آتش غمناک انداخت
اهل هر سلسله را بر جگرش خاک انداخت

تا بشمشیر جفا بر سر ما راند اجل
بر سر منزل ما دیدهٔ نمناک انداخت

در بهاران همه گلها شگفند وقت سحر
بلبلان را همه در رقص چکاچاک انداخت

خون او در دل هر کس نازل داغ نهاد
مثل طوطی به گلو طوق ز دل پاک انداخت

نیشکر بسته کمر در قدمش هر مه و سال
گل به هر مرتبه در دامن خود چاک انداخت

به کسی روی طمع نیست مرا در دو جهان
علم سبز بما خواجهٔ لولاک انداخت

کافر عشق تو شد غنچهٔ شاهی ز ازل
تیر الماس نما غنچهٔ بیباک انداخت

(۷)

در کوی تو امروز مرا حال خراب است
در زیر فلک عالم و دون محض سراب است

ما را سر سودای تو کرده ست پریشان
از مردمک دیدهٔ تو بس ریشه در آب است

بدنام بود عاشق بیچاره ز خوبان
این کشتن عاشق همه جا عین ثواب است

از محنت اندوه تو مردیم بخواری
فریاد که اندوه طلبت سینه کباب است

رابے کہ دلم رفتہ بکویت زخمارے
از چہ چپی بلبلے از ساز رباب است

در سرزمے عشق تو واریم بریدہ
در دیدہ خمارت ہما زکیفِ شراب است

ہر کس کہ رود در رہِ توحید الٰہی
زنگ از دلکش پاک شود عین ثواب است

درباغ جہان غنچۂ شاہیت پریشان
ہر کس کہ بجا سنگ زند راہِ صواب است

(۸)

غم تلخی روغن بہ چراغِ دلِ ما ریخت
دودش بہ فلک آمدہ داغِ دلِ ما ریخت

مغزم چو فتیلہ شد و عشقش چو چراغے
در سینۂ مجروح فراغِ دلِ ما ریخت

ہر محنت و اندوہ کہ دادند بہ عالم
در قبۂ سرہائے دماغِ دلِ ما ریخت

ہیہات کہ در قسمتِ ما نیست بجز غم
غمہائے جہان را بہ ایاغِ دلِ ما ریخت

غم مونس و ہمدرد چو گشتہ ست بہ مایان
ہر دم نمکے سودہ بہ داغِ دلِ ما ریخت

ساغر بہ مے عشقِ تو گشتہ ست لبالب
ہر نشہ کہ آمد بدماغِ دلِ ما ریخت

اندر وز ازل غنچۂ شاہی ......
بر ہر طرفے شعلۂ باغِ دلِ ما ریخت

(۹)

روزے کہ فلک خاک زبہرِ گلِ ما ریخت
صد کوزۂ زہراب دران خاک بجا ریخت

ما را بہ غم و درد و بلا کرد سرشتہ
ہر جا الم بود بہ جان و دلِ ما ریخت

گفتم گذرانم نفسِ عمر بہ شادی
فوجے ز غمت آمد و در کشورِ ما ریخت

تا شمعِ رخت در نفسم آمد دلِ ما را
خونِ جگر از دیدہ روان در دلِ ما ریخت

چون ذات دلم در طلبِ وصلِ تو پرواز
پروانہ صفت گرد سرت شہپرِ ما ریخت

بر روے تو ہرگہ کہ نظر می کنم از شوق
صد نور و صفا بر سرِ تو باد صبا ریخت

می خواست عطا صبر کند با غم ہجران
ہر دم نمکے سودہ بہ داغِ دلِ ما ریخت

(۱۰)

غنچۂ شاہی فرماید :-

دیدۂ چرخِ فلک را خارمی باید کشید
تیر زہر آلود در منقار می باید کشید

(اس کے باقی اشعار اوپر گذر چکے ہیں)

جواب میر عرب :-

رشتہ ہائے جانِ خود را تار می باید کشید
مہرۂ تسبیح را زنار می باید کشید

دست را در قالبِ جان نہ گذار از جان خود
مردہ را گر زندہ سازد یار می باید کشید

غنچۂ شاہی :-

این سر شوریدہ را بر دار می باید کشید
گر نفس پاک ست زہر از مار می باید کشید

ولہ جواب :-

ہر زمان از نفسِ سگ آزار می باید کشید
از تنِ خود دشمنِ خونخوار می باید کشید

ہجرِ دلبر را بسے ناچار می باید کشید
خیمہ ہا از دیدۂ خونبار می باید کشید

درد را از عاشقِ بیمار می باید کشید
آب زمزم از درختِ نار می باید کشید

داغ ہا از بہرِ دلِ افگار می باید کشید
تا بہ را از پیچ پیچِ دستار می باید کشید

پاے در زنجیرِ مہرِ یار می باید کشید
در دلِ شب دیدہ را بیدار می باید کشید

دل بکوے احمد مختار می باید کشید
داغ ہائے حیدر کرار ہم می باید کشید

دردِ بے درمانِ آن طرار می باید کشید
از دلِ خود لذتے با زار می باید کشید

دل ازین دنیائے ناہموار می باید کشید
رختِ خود را از تہِ دیوار می باید کشید

عاشق حسرت را از داری باید کشید   رنجها از بہر آن دیداری باید کشید

صورتِ اغیار با دیواری باید کشید   دیدہ ہاے دشمنانِ اخاری باید کشید

دائم از دستِ فلک آزاری باید کشید   دست ازین دنیاے ناپلیدی باید کشید

(۱۱)

غنچہ سیراب شود جامہ دریدن گیرد   بلبل از مسکنِ خود ذوقِ پریدن گیرد

ہر سحر بادِ صبا خدمتِ گلہا بکند   قہقہہ با رُخِ او عالمِ گلشن گیرد

ابر در گریہ شود باغ بجان خندہ کند   خارِ گل غنچہ شود نور وزیدن گیرد

تیرِ دل دوز تو در سینہ اگر کار کند   ریشہ ہاے مژہ در دیدہ خلیدن گیرد

صفحۂ روے ترا ہر کہ ببیند بنظر   از سمک تا بہ سما نور رچکیدن گیرد

ہر کہ در راہِ بنی راست رود عین شود   دیدہ برہم نہد و عیش طپیدن گیرد

جوابِ شعر:-

(۱۲)

صبح وصلے ز شبِ ہجر دمیدن گیرد   غنچہ ہاے گلِ اُمید شگفتن گیرد

بلبل سوختہ دل چون نگرد در رُخِ گُل   نالہ ہا از دلِ پُر درد کشیدن گیرد

چون بحسرت نگرد در رُخِ گُل بلبلِ زار   بیخود و مست شود جامہ دریدن گیرد

گر اشارت کند آن گل سوے بلبل ز کرم   مرغِ روح از قفس بستہ پریدن گیرد

در سحر سوے چمن گر بفرستی تو نسیم   سبزہ و گل پے تعظیم خمیدن گیرد

چون کہ شد موسمِ دی برگ خزان می گردد   در بہار از کرمت سبزہ دمیدن گیرد

مدتے شد کہ عطا در طلبِ این ہوس است   گہ خدنگے ز تو بر سینہ رسیدن گیرد

در دلِ غنچۂ شاہی ست نہان تیر حبیب   از تحیر بہ مژہ آب دویدن گیرد

(۱۳)

پیوستہ بہ دل ذوقِ غم ریختہ باد   خاکم چو بہ غربالِ عدم بیختہ باد

در مجلسِ عشاق بزن کوسِ نہان   از رحمتِ او ہمیشہ نم ریختہ باد

از روزِ ازل قسمتِ ما کردہ درست   دانستہ بہ دل سپاہِ غم ریختہ باد

دایم بدرونِ خون بہ غم می خواہم   خونِ جگر از چشمِ ترم ریختہ باد

در عالمِ دون نہ دیدہ ام رنگِ بہی   محنت ہمہ از فرقِ سرم ریختہ باد

با خلقِ جہان جملہ بداد ند نشاط   از غنچۂ شاہی دمِ غم ریختہ باد

(۱۴)

در غربتم ہمیشہ بہ غم می گذرد   روزان بہ شبان نشاط کم می گذرد

رو با ہمہ ابواب، حریفان رفتند   غافل منشین کہ خواجہ دم می گذرد

در طالعِ ما ہمیشہ غم کاشتہ اند   درہم شدہ از دیدہ نم می گذرد

مجنون صفتان بہ غم در آمیزم من   شیرین سخنان کوے عدم می گذرد

ما را ہوسے نیست کہ در یابم جان   بر جانِ منِ زار ستم می گذرد

در بسترِ غم وصالِ جانان می جو   می جو بہ یقین کہ شادم می گذرد

در ہر بُنِ مو تخمِ محبت می کار   می کار بہ دل کہ وقتِ نم می گذرد

در غنچۂ شاہی شدہ غم بختِ مراد   داغیست کہ دولتِ المِ می گذرد

(۱۵)

در بسترِ ما مزرعِ غم کاشتہ اند   غافل منشین کہ صبح دم کاشتہ اند

در پردہ شود ماہ و بر انداز نقاب   قلاب محبت ست کہ خم داشتہ اند

زلفے کہ کمند مستمندان گشتہ   صد رشتہ بہ نوک یک قلم کاشتہ اند

زُنّار بہ گردن گنہ کار کشید   این دیدہ برائے جامِ جم داشتہ اند

مایم درین رباط در عینِ الم   در قسمتِ ما ظلم و ستم کاشتہ اند

دایم بہ سر غنچۂ شاہی ست کلاہ   از بہر پری باغِ ارم داشتہ اند

(۱۶)

طالبانِ سرِ کوئے تو چہ فنہا دارند   ہمہ جا سلسلہ در گوشِ سخنہا دارند

ہمہ گلہائے چمن دیدہ بشارت کردند   بہ ثنائے تو ہمہ غنچہ دہنہا دارند

ہر کہ جان را بہ سر کوئے تو در باختہ است   فارغ از ہر دو جہان چشم بہ گلہا دارند

شادی باشش درین گنبدِ اخی تخلا   زلفِ خوبان ہمہ جا نورِ شکنہا دارند

واصلانِ رہِ کویت ہمہ جا مستانند   در لباسِ تو ہمہ ذوقِ چمنہا دارند

مدتے شد کہ نگاہِ تو مرا کرد اسیر   از جفائے تو ہمہ داغ بہ تنہا دارند

تا قیامت ز درت روے نہ تابم ہرگز   زردگانِ طلبت رختِ کفنہا دارند

بہ دلِ غنچۂ شاہی ذکرم آب رسانی   حاضرانِ قدمت عغو سخنہا دارند

(۱۷)

زاہدانِ بوالہوس را تابعِ شیطان کنید   عاشقِ سرمست را در کوئے خود خندان کنید

دین و دل بر باد دادم قبلۂ عالم پناہ   من بہ دردِ خویشتن عاجز شدم درمان کنید

خاکِ پائے او چو طوطیا سازم بہ چشم   اے مسلمانان دوائے دردِ بے درمان کنید

من شدم رسوائے عالم در رہِ جبر نگار   تا قیامت بندہ دل در پیش دلبریان کنید

دائما در کوئے تو در دیدہ ہا باشم نگ   آہ نومیدی بر آرم کار با امکان کنید

عید من آید ز پیش اے عاقلان حاجی شوید   از برائے عید من جانِ مرا قربان کنید

من غلامِ خانہ زاد و ما و جیو ندر جہان   تا قیامت رو نہ تابم سوئے من قرآن کنید

با خدا و مصطفٰے سوگند می گیرم بجان   من بجان می دارمش این کار را از جان کنید

ور شما را مقصدِ دنیا و دین افتادہ است   در شفاعت گاہِ حضرت کار با میزان کنید

رو بہ امرِ حق کنید اے عاقلانِ پاک دین   لیلۃ القدر ست این ہم با رضائے آن کنید

من سگِ کوئے توام از جان و دل میدان یقین   غنچۂ شاہی وفا دار ست تا احسان کنید

(۱۸)

ہر گہ نسیم سوئے چمنہا نظر کند   بلبل بہ کوئے غنچہ دہنہا گذر کند

ما را خیالِ دیدنِ یار ست متصل   آن ہم ہمیشہ جانبِ دلہا نظر کند

وین نقشِ یار در دلِ خوبانِ عالم است   این راز سر نہفتہ بہ گلہا اثر کند

آمد بہار و بلبلِ دیوانہ ہوش آر   بادِ سحر بہ غنچہ دہنہا خبر کند

شبہا تمام بر سرِ راہش نشستہ ایم   سوئے سحر بہ جانبِ گلہا گذر کند

ما را نسیم بار نوازش کند بجان   شیطان ز راہِ کوچۂ دلہا حذر کند

در کوئے یار غنچۂ شاہی خراب شد   ہر جا کہ یافت خاکِ قدم ہا بسر کند

(۱۹)

روز و شب در کوئے او من زاری سوزم چو شمع   رحم کن با حالِ من در کار می سوزم چو شمع

بر درِ پیرِ مغان افتادہ ام بہر پری   در بیابانِ غمت ناچار می سوزم چو شمع

من بہ سودائے تو سرگردان شدم اندر جہان   از برائے خاطرِ دیدار می سوزم چو شمع

عاشقِ دل خستہ می سوزد چو پنہان تا سحر
مثلِ پروانہ بگردِ یار می سوزم چو شمع

جان و دل برباد دادم در رہِ شمعِ جہان
عندلیبِ گلشنم اے یار می سوزم چو شمع

من متاعِ مے خرم در شہر و در بازار نیست
دائما در کوچۂ بازار می سوزم چو شمع

غنچۂ شاہی ہمیشہ می رود با کوئے دوست
عاشقِ بیچارہ را اغیار می سوزم چو شمع

(۲۰)

من کہ در ملکِ عشق مہمانم
غیر حیرت و فا نمیدانم

صد دلے جمع کردہ ام در قید
ہمچو زلفش برد پریشانم

قوتِ من نیست غیر خونِ جگر
من کہ بر خوانِ عشق مہمانم

قاصدا نامہ را بیار از دوست
جان و دل تا بپایت افشانم

گر ببینم جمالِ آن دلبر
می شود تازہ دین و ایمانم

گاہ چون بلبل بباغِ سخن
گاہ چون طوطیِ غزل خوانم

غنچۂ شاہی ست ...... اسیر
گر نہ درمان دہی تو در مانم

(۲۱)

من ازین جا نہ روم چشم بہ یارے دارم
در ہمین کوچہ شبان روز مزارے دارم

بر درِ میکدہ ہا آمدہ ام چندین بار
خوردہ از مستیِ او در کنارے دارم

در بیابانِ غمت سوختہ ام روزِ ازل
با غمِ عشقِ تو ہر روز قرارے دارم

منِ بیچارہ درین زیرِ فلک حیرانم
طالبِ کوئے توام دیدۂ بیدارے دارم

منِ غمگین چو درین کہنہ رباطِ ویران
عاشقِ خلقِ توام از ہمہ عارے دارم

مرغ ..... کوئے تو ما وائے من ست
شاہبازم بہ یقین عزمِ شکارے دارم

طوطیِ دم دانہ دامِ جہان آزادم
با ہمہ کارِ جہان بندہ چہ کارے دارم

اے کہ پیے منِ سوختہ آہے برسان
زان کہ در سر ز مئے عشق خمارے دارم

با ہمہ غنچۂ شاہی تو مگو رازِ خودی
زانکہ در باطنِ خود فکرِ نگارے دارم

(۲۲)

ما درین دیرِ کہن بہرِ خدا آمدہ ایم
نہ برین سلطنتِ دارِ فنا آمدہ ایم

نہ قدم بر سرِ این ورطہ بگذار ز ہوس
مرغِ عرشیم درین جا بنوا آمدہ ایم

بہرِ تدبیرِ خلائق بنظر می گردیم
از بہرِ حادثہ ہا ہر دو آمدہ ایم

از سرِ صدق و صفا گوش بقرآن می کن
کہ درین راہِ خطرناک بلا آمدہ ایم

نیتِ ما بخدا حوصلۂ دارست بلند
بہرِ حاجاتِ خلائق بدعا آمدہ ایم

ہیچ اسپے بجہان مرکبِ بالا نیست
شہسوارِ دو جہان راہِ صفا آمدہ ایم

چند باشی تو درین دیرِ فنا مردِ غرور
کارِ فہمیدہ بکن جائے بجا آمدہ ایم

گر درین شہر عمارات کنی سبز شوی
از برائے چہ درین شہرِ فنا آمدہ ایم

در برِ غنچۂ شاہی طلبِ بختِ مراد
در رہِ دینِ نبیؐ ما چو گدا آمدہ ایم

(۲۳)

ماہ جیو را شاہ سازم تختِ او بر سر کنم
دیدہ را در پائے او مالم قدش راز کنم

قبلۂ تحقیقِ من ماہِ منور ماہ جیو
قصہ ہا از بہرِ او گویم ہمہ از بر کنم

بادشاہِ ہر دو عالم ماہ جیو از بہرِ من
آمدہ پیشِ سگانش کورنش از در کنم

من بغیرِ ماہ جیو با کس نہ ورزم اختلاط
دیدہ ہا را کور سازم گوش را کر کنم

بود و نابودے کہ دارم ہر زرش سازم نثار
جان فدا سازم بہ راہش خویش را از در کنم

اے محبِ چار یارؓ ہمشیرۂ عالی کلام — من سگِ اصحابِ کہفم خویش را بے بر کنم
قبلہ گاہا حضرتِ بی بی کلانت پیرِ ما — در قدم گاہِ سگانت خویش را اکثر کنم
غنچۂ شاہی بہ نیکان ماہ جیو را بندہ شد — خدمتِ ہر دو جہان باخرد غا ور کنم

(۲۴)

درز مینِ نون رسی انداز پانہ در یمن — عاشقِ پیغمبر و نورِ خدا ویسِ قرنؓ
کوہ و صحرا از جمالش مستِ لایعقل شدہ — آہوانِ چین شدہ بیہوش در صحنِ چمن
از زمین تا عرش و کرسی بستہ است نورِ تنق — آشیانِ نُہ فلک رابطے کند در من و عن
رحمتِ حق مردمان راہ رو را صد ہزار — راہِ حق رار است رفتن وصل..... در چمن
مغزِ استغنائے ما خاکستر باد ام گشت — اے حریفان متصل با خویش می دوزم کفن
بر سرِ او ریختند قدسیانِ غیب نور — نورِ پاکِ مصطفیؐ در نُہ فلک کردہ وطن
تا شنوند از رحمتش سرمست ذکرِ لا اللہ — پارسان آبِ حیات از چشمۂ ویسِ قرنؓ
عاشقانِ کوے او مشتاق شد با ہر طرف — عاشقان سرمست گردد گردِ صحرائے یمن
ہر کہ بارادہ نبیؐ از جان و دل طاعت نکرد — تا قیامت باشدش ہر روز در گردن رسن
عاجز و سرگشتہ و حیران نزارم اے کریم — خاکِ پائے احمدِ مختارؐ ہستم یا حسنؓ
خلقِ عالم شاد و خرم دائما اندر جہان — غنچۂ شاہی بخون آلودہ اندر پیرہن

(۲۵)

شاہِ عالم ماہ جیو در بختِ با افزون شدہ — صبغۃ اللہ مہر بالائے ردا موزون شدہ
صورتِ ساقیِ کوثر در جبینِ ماہ چیت — استخوانہا در تنم در عشقِ او قانون شدہ
ماہ جیو را من دہم خطِ غلامی بر علا — صاحبِ من ماہ جیو وار جنت مکان شدہ

بر کفِ پایش بمالم دیدہ را ہر روز و شب — قامتم در عشقِ او مانندِ کمان و نون شدہ
ہمچو کلب افتادہ ام در آستانِ ماہ جیو — داغہا در سر نہادم دیدہ ہا پر خون شدہ
پیرِ ما و قبلۂ ما دیدۂ ما ماہ جیو — رہ بہ بخشش ہمیشہ حضرتِ بیچون شدہ
مرغِ نیم بسمل شدم من نے این طرف نے آن طرف — دامن از سیلابِ غم پیوستہ غرقِ خون شدہ
من نمی دانم کہ او نور است یا خود آفتاب — غنچۂ شاہی بگویش عاقبت مجنون شدہ

(۲۶)

بر سرِ راہِ بلا دیدہ گرامی نگری — دیدہ دانستہ بخود تہمتِ تر نمی نگری
راہِ نیکو برو و شرعِ نبیؐ را بنگر — بہ یقین دان کہ درین جا بہ بلا می نگری
کارِ خود را بکن اے خواجہ کہ عمرت بگذشت — ہیچ دانی بجہان بندہ چہا می نگری
در قیامت طلبند نامہ کہ حکم ست بجا — سر بہ سر نامہ سیاہ است عقابی نگری
گر ترا نامۂ اعمال بہ نیکی باشد — در صفِ دینِ محمدؐ بصفا می نگری
کو بگو غنچۂ شاہی طلبد وصل ہمو — غم مخور دیدہ کہ امروز فنا می نگری

(۲۷)

با بلبلِ دیوانہ ز ما گوے سلامے — آوردہ نسیم از سرِ خوشبوے پیامے
مارا نبود الفت بیگانہ بہ گل ہا — گستاخ شدن با ہمہ از روے کلامے
وارد چمن ما سرِ خدمت چو نسیمش — از روزِ ازل دام نہادہ ست اقامے
بے بادِ سحر غنچہ نہ خندد بہ چمنہا — از روشنیِ صبح گرفتہ ست نظامے
زنہار مشو معتکفِ دیرِ خرابات — در عشقِ بتان غنچۂ شاہی ست غلامے

بیماری اور اُس کا روحانی علاج

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی

نے آنکہ دوا ہیچ نہ دارد اثرے موقوف نہ زندگی بہ برگ و برے
مشروط بشرط این و آن نیست کہ ہست نبض و مرض و شفا بدست دگرے (درد)

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بیماری "شر مطلق" ہے، جس مین خوبی کی کوئی جہت نہین، جس مین خیر کا کوئی اعتبار نہین، یہ ہر صورت مین بری ہے، اس سے ہمیشہ ڈرنا چاہیے، اور اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنی چاہیے! جب آدمی بیمار ہوتا ہے، تو وہ اپنی بیماری کو قطعاً بری سمجھتا ہے، اس سے ڈرتا ہے، اور اس کا مقابلہ کرتا ہے! بیمار کی یہ راے ایک اعتبار سے صحیح ہے! بیماری کے معنی درد و تکلیف کے ہین، غم و حزن کے ہین، اور فطری طور پر انسان درد و غم سے بھاگتا ہے، خوف و حزن سے نجات چاہتا ہے! سمجھتا ہے کہ اگر زندگی صحت و خوشی کے ساتھ بسر ہو تو زندگی خضر بھی کم ہے، اور اگر بیماری و تکلیف مین گذرے تو ایک سانس بھی زیادہ ہے،

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است ورنباخوش گذرد نیم نفس بسیار است

لیکن اگر بیماری سے نجات پانی منظور ہو تو ہمین اپنی راے بدلنی پڑے گی، اور بتدریج یہ ماننا پڑے گا کہ ہماری بیماری اور اس سے پیدا ہونے والا درد و غم مطلق شر نہین بلکہ خیر ہے، اور رحمت مطلقہ

کا ایک مظہر! شاید نوے فی صدی درد و غم، بیماری و مرض نتیجہ ہین قلبی اضطراب کا، یعنی بیماری و تکلیف کو شر مطلق سمجھنے کا، اور اس کے خلاف ذہنی مزاحمت کا! جون ہی بیمار کو اس بات کا پورا یقین ہو جاتا ہے کہ جس بیماری مین مین مبتلا ہون، وہ میری دشمن نہین بلکہ دوست ہے، علاوہ بیشمار روحانی فوائد کے خود میرے جسم کی تجدید کا بھی بیماری باعث ہے، تو ضعف کی جگہ قوت، مرض کی جگہ صحت و توانائی کا سرعت کے ساتھ ظہور ہونے لگتا ہے! بات یہ ہے کہ جب بیمار بیماری یا درد کو برا سمجھ کر اس کا مقابلہ کرتا ہے، تو اس کے جسم مین تناؤ پیدا ہوتا ہے، اور یہی مقابلہ یا مدافعہ اس کے درد مین اضافہ کرتا ہے، ذہنی تکلیف پیدا کرتا ہے! لیکن اگر بیمار حکم قضا کو اپنے لئے بحیثیت مجموعی مفید و بہتر سمجھ کر سر تسلیم خم کر لیتا ہے تو اس کے اعصاب کا تناؤ فوراً دور ہو جاتا ہے، اور آرام محسوس کرنے لگتا ہے، درد کی قوت زیادہ تر بیمار کے خیال کی پیداوار ہوتی ہے، اسلئے صحیح خیال کی بہت زیادہ ضرورت ہے!

اسلامی عقیدہ کی رو سے حق تعالی مومن پر رحیم ہین! وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا! اور زندگی مین جو کچھ بھی پیش آتا ہے، مومن اس کو اپنے رحیم و کریم خالق و مالک کی جانب سے دیکھتا ہے، اس مین رحمت و حکمت کی نشانیان پاتا ہے، اور اس کا خیر مقدم کرتا ہے! اس واقعہ سے کہ رحمت حق نے درد و بیماری کی صورت مین اپنا ظہور کیا ہے، یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ رحمت حق نہین! قطعی رحمت ہی نے یہ صورت اختیار کی ہے! اسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ تم نے اپنی زندگی گناہ مین بسر کی ہے، حدود اللہ کو قدم قدم پر توڑا ہے، واقعات سے وہ سبق نہین لیا، جس کے سکھلانے کے لئے ان کا ظہور ہوا تھا، ممکن ہے کہ بیماری کی صورت مین رحمت الٰہی تمھین کچھ مفید سبق دینا چاہتی ہو، جس کی وجہ سے تمھارا رُخ ظلمت کی جانب سے پلٹ کر نور کی طرف ہو جائے، ممکن ہے کہ درد کی صورت مین تمھارے گناہون کا کفارہ مقصود ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ تکلیف و درد تمھارے درجات کی بلندی کا باعث بن جائین، اور ان کی وجہ سے تمھین وہ مقامات روحانی حاصل ہو جائین جن کو تم اپنے دوسرے نیک اعمال سے پا نہ سکو، ان تمام امکانات کو پیش نظر رکھ کر تمھین حق تعالی کی رحمت کی طرف سے مایوس نہین ہو جانا چاہیے، بیماری کی صورت مین جو سبق دیا جا رہا ہے، اس کی طرف دل و جان سے توجہ کرنی

چاہئے! یہی راہ صحت وشفایابی کا ہے!

گلشنے کز بقل روید گردد تباہ! گلشنے کز دل روید وا فرحتا! (رومی)

بیماری کو شرِ مطلق نہ سمجھنا شفایابی کے لئے نہایت ضروری ہے، بیماری کو جلال کی صورت میں جمال خیال کرنا، بیمار کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے نہایت مفید ہے! بیماری کو پوشیدہ رحمتِ الٰہی جاننا شفایابی کا حکیمانہ یا سُنتِک راز ہے!

لیکن عضویت انسانی کے لئے درد فطرۃً مکروہ ہے، اور لذت طبعًا محبوب! اب طبیعت پر عقل کو غالب کرنا، خاص انسانی کام ہے، اور یہ کام فکر و تدبر، مراقبہ وتعقل کے ذریعہ آسان ہوجاتا ہے، پہلے علم صحیح کا حصول ضروری ہے، پھر اس علم پر تفکر پھر عمل لازمی ہے، یہی مجاہدہ ہے، اور مجاہدہ کے بغیر کسی نعمت کا حصول ممکن نہیں، جو مجاہدہ نہیں کرتے، ان کے متعلق عارفِ رومی نے کیا خوب کہا ہے،

ترک عیسیٰ کردہ خر پروردۂ لاجرم چون خر برون پردۂ!

۱۔ علم صحیح:۔ یہ اوپر بتلایا جاچکا ہے کہ بیماری ہماری تطہیر کی ایک صورت ہے، اس سے ہمارے گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ ہوتا ہے، اس سے ہمارے درجات بلند ہوتے ہیں، اور وہ روحانی مقامات حاصل ہوتے ہیں، جن کو ہم اپنے دوسرے نیک اعمال سے نہیں حاصل کرسکتے! اس طرح بیماری رحمت کی ایک شان قرار دی جاسکتی ہے، اسی لئے امام غزالی کا قول ہے کہ

"اگر از بندہ مصائب حجاب بردارند وکشف عنا از وے بردارند مصائب را بر نعم برگزیند"

یعنی اگر مصیبت زدہ سے وہ حجاب اٹھا دیا جائے، جس کی وجہ سے وہ اپنی مصیبت اور درد کے اجر کو دیکھ نہیں سکتا، اور اس کو اس کا علم ہوجائے تو پھر وہ مصیبتوں کو نعمتوں پر ترجیح دے گا" تمام اصحابِ کشف وبصیرت جنہیں عرفاء واولیا کہا جاتا ہے، غزالی کے ساتھ متفق ہیں، اہل کشف وبصیرت اپنا علم تصفیۂ باطن تحلیۂ تخیل، کمال تبتل، اور دوام توجہ الی اللہ سے حاصل کرتے ہیں، یہی لوگ صراطِ مستقیم کے جادہ پیما ہیں، اور یہی

طریقہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے، ان میں سب سے زیادہ کامل ملت حنیفی ودین مصطفوی ہے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جو خبر دی ہے ہم اس پر یہاں غور کریں گے، اور اپنی تشفی وتسلی کا سامان حاصل کریں گے آپ کی تعلیم کے بعد ہمیں کسی اور جانب توجہ کرنے کی ضرورت نہیں:

مصطفےٰ اندر جہان آنگہ کسے گوید زعقل!

آفتاب اندر فلک آنگہ کسے جُوید سُہا!

(۱) بیماری ہماری تطہیر وتمحیص کی ایک صورت ہے:۔

اس بارے میں متعدد حدیثیں ملتی ہیں، مثلاً

۱۔ من ابتلاہ اللہ فی جسدہٖ فھو لہٗ حِطۃٌ:

جس شخص کو اللہ جسم کی کسی بیماری میں مبتلا کرے، وہ اس کے لئے گناہوں کا اتار (کفارہ) ہوگی،

۲۔ مَا مِنْ شئٍ یُصیب المُومن فی جسدہٖ یوذیہ الا کفر اللہ عنہ من سیّئاتہٖ، (اخرجہ احمد بن حنبل)

جس شے سے بھی مومن کے جسم کو اذیت پہنچتی ہے، اس کی وجہ سے اللہ اس کے گناہوں کا کفّارہ کردیتا ہے،

۳۔ اذا رائیتُم العبد الم اللہ بہ الفقر والمرض فان اللہ یُرید ان یُصافیہ، (اخرجہ الدیلمی)

جب تم کسی بندہ کو دیکھو کہ اللہ نے اس کو فقر یا بیماری کے الم میں مبتلا کیا ہے، تو سمجھ لو کہ اللہ کا ارادہ یہ ہو کہ اس کو گناہوں سے پاک وصاف کرے،

۴۔ ساعات الامراض یذھبن ساعات الخطایا (اخرجہ البیھقی فی شعب الایمان)

بیماری کی گھڑیاں گناہوں کی گھڑیوں کو لے جاتی ہیں،

۵۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: قال اللہ تعالیٰ: اذا وجهت الی عبد من عبیدی مصیبة فی بدنه او فی ولده او فی ماله فاستقبله بصبر جمیل استحییت یوم القیامة ان انصب له میزانا او انشر له دیوانا۔

(اخرجه الحکیم الترمذی)

اگر میں اپنے کسی بندہ کی طرف مصیبت کا رُخ پھیر دوں، خواہ اس کے جسم کی طرف یا اس کی اولاد یا مال کی طرف، اور وہ صبر جمیل کے ساتھ اس مصیبت کا مقابلہ کرے، تو مجھے شرم آئے گی کہ قیامت کے دن اس کے لئے میزان قائم کروں یا اس کے لئے حساب کتاب کا دفتر کھولوں!

۶۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: قال اللہ تعالیٰ: اذا ابتلیت عبدی المومن فلم یشکنی الی عوادہ اطلقته من اساری ثم ابدلته لحما خیرا من لحمه ودما خیرا من دمه ثم یستانف العمل۔

(اخرجه الحاکم والبیهقی)

اگر میں کسی بندۂ مومن کو تکلیف و ابتلا میں ڈالوں، اور وہ اپنے عیادت کرنے والوں کے سامنے میری شکایت نہ کرے، تو میں اس کو اس قید سے رہائی دوں گا، اور اس کے گوشت کے بدلہ اچھا گوشت اور اس کے خون کے بدلہ اچھا خون دوں گا، پھر از سرِ نو (بحالتِ صحت ہی کی طرح) وہ کام کرنے لگے گا۔

اسی مفہوم کو عارفِ رومی نے دوسرے پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے:-

او خُم شکست و سرکہ بریخت — بانگ کردم کہ این زیانم کرد
صد خم شهد ناب از پی آن — در خورم داد و شادمانم کرد

۷۔ ما من مسلم یصیبه اذی من شوکة فما فوقها الا حط الله بها سیئاته کما تحط الشجرة ورقها، (اخرجه الشیخان)

کوئی مردِ مسلم ایسا نہیں جس کو کانٹا چبھنے کی بھی تکلیف پہونچے یا اس سے بڑھ کر دکھ ہو، مگر اللہ تعالیٰ اس سے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے، جس طرح درخت اپنے پتوں کو جھاڑ دیتا ہے،

اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث بھی ہے:

۸۔ ما من مصیبة تصیب المسلم الا کفر الله عنه بها حتی الشوکة یشاکها، (اخرجه احمد بن حنبل والشیخان)

جو بھی مصیبت کسی مردِ مسلم کو پہونچے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے گا حتیٰ کہ کانٹا چبھنے کی بھی تکلیف کیوں نہ ہو،

۹۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی،

من یعمل سوءا یجز به (پ ۵ - ع ۱۵)

جو شخص کوئی بُرا کام کرے گا اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا،

تو یہ مسلمانوں پر سخت شاق گذری، اور اُس کی شکایت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ ہم میں سے کون ہے جو کچھ بُرا عمل نہیں کرتا، تو آپ نے فرمایا،

قاربوا وسددوا ففی کل ما یصاب به المسلم کفارة حتی النکبة ینکبها والشوکة یشاکها (اخرجه مسلم فی صحیحه)

قربت چاہو اور سیدھے چلو، بیشک ہر مصیبت جو پہنچتی ہے مسلمانوں کو کفارہ ہے یہانتک کہ رنج جو اس کو پہنچتا ہے، اور کانٹا جو اس کو لگتا ہے،

مالی مصیبت یا جسمانی اذیت پہنچنے پر اگر حق تعالیٰ کی شکایت نہ کی جائے تو مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے،

۱۰۔ من اُصیب بمصیبة فی ماله وجسده فکتمها ولم یشکها

جو شخص مالی یا جسمانی مصیبت میں مبتلا ہوا، اس کو پوشیدہ رکھے، اور اس کی لوگوں سے

الی النّاس کان حقًّا علی اللہ اَنْ یغفر لہ،

(اخرجہ الطبرانی)

سامنے شکایت نہ کرے، تو اس کا حق تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کرے،

ولنعم ما قیل :-

خاک تو آمیختہ رنجہاست · بر سر ایں خاک بسے گنجہاست

(ب) بیماری رفعِ درجات کا باعث ہے، اس بارے میں بھی کئی حدیثیں ملتی ہیں :-

۱- اذا سبقت للعبد من اللہ منزلۃ لم یبلغھا بعملہ ابتلاہ فی جسدہٖ واھلہٖ ومالہٖ ثم صبرہ علی ذالک حتی ینال المنزلۃ التی سبقت لہ من اللہ عزوجل

(اخرجہ البخاری فی تاریخہ وابوداود وابن سعد وابویعلیٰ)

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے لئے کوئی منزل یا مقام مقرر ہو چکا ہے، جس کو وہ اپنے کسی عمل کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم یا اہل و عیال یا اوس کے مال کا نقصان کرکے اوس کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اور پھر اس کو صبر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس مقام یا درجہ تک پہنچ جاتا ہے، جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے

۲- الیسر کم ان تصحوا ولا تسقموا اتحبون ان تکونوا کالحمیر الضالۃ وما تحبون ان یکونوا اصحاب بلاء وکفارات وان العبد لیکون لہ

کیا تم کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ تم ہمیشہ تندرست رہو، اور کبھی بیمار نہ پڑو، کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم بے کار گدھے کی مانند بن جاؤ، اور یہ پسند نہیں کہ تم پر بلاؤں کا

المنزلۃ عند اللہ ما یبلغھا بشیٔ من عملہ حتی یبتلیہ ببلاء فیبلغہ تلک المنزلۃ،

(اخرجہ الرویانی وابن مندہ وابونعیم)

نزول ہو، اور یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوں؟ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا درجہ بھی ہے کہ اس کے کسی عمل کی وجہ سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ وہ بلا میں مبتلا ہوتا ہے، اور پھر (صبر سے) یہ درجہ پاتا ہے،

یہی حدیث دوسرے الفاظ میں آئی ہے :-

من احب ان یصح ولا یسقم؟ قالوا نحن قال اتحبون ان تکونوا کالحمیر الضالۃ؟ الا تحبون ان تکونوا اصحاب بلاء وکفارات؟ فواللہ ان اللہ لیبتلی المومن وما یبتلیہ الا لکرامتہ علیہ وان لہ عندہ لا منزلۃ ما یبلغھا شیٔ من عملہ دون ان ینزل بہ من البلاء فما یبلغہ تلک المنزلۃ۔

(اخرجہ ابن سعد)

کون چاہتا ہے کہ ہمیشہ تندرست رہے، اور بیمار نہ پڑے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم بے کار گدھے کی طرح ہو جاؤ! کیا تمہیں پسند نہیں کہ تم پر بلاؤں کا نزول ہو، اور ان سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ مومن کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اگر یہ ابتلا صرف اس کی عزت کی وجہ سے ہوتا ہے، قسم اللہ کی اللہ کے پاس ایک ایسا درجہ ہے جو اس کے کسی عمل کی وجہ سے نہیں حاصل ہوتا، بلکہ وہ بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے، پھر (صبر سے) یہ درجہ پاتا ہے،

اسی مفہوم کو عارف رومی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے :-

آن کسے را کہ چنین شاہے کشد — سوے تخت و بہترین جاے کشد

نیم جان بستاند و صد جان دہد — آنچہ در وہمت نیاید آن دہد!

درد و رنج و بیماری وغم کو، اس نقطۂ نظر سے دیکھ کر ہی منصور حلاج کی زبان سے یہ چیخ نکلی تھی،

کے زآزار تو بیزار شود جان حسین

زخم چون از تو رسد با ہمہ آزار خوشم!

اور رومی نے کہا تھا کہ

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش

بہر خوشنودیِ شاہِ فرد خویش!

اور اس قول کی مصلحت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ

از حادثات درصفِ آن صوفیان گریز

کز بوو غم خورند و زنا بود شادمان

رنج وغم، درد و الم، آزار و بیماری، ان درجات کے حصول کا ذریعہ ہیں، جن کا حصول کسی اور طرح ممکن نہیں،

۲- انّ فی الجنّۃ درجۃ لاینالہا	جنت میں ایک ایسا درجہ یا مقام
الا اصحاب الھموم،	ہے، جس کو صرف اصحاب ہموم ہی
(اخرجہ الدیلمی عن ابو ہریرۃ عن النبی صلعم)	حاصل کر سکتے ہیں،

بلاؤن کے نزول کے وقت اس مصلحت کا استحضار صبر کی اتنا ہی قوت قلبی کے قلب میں پیدا کرتا ہو، اسلئے رنج وغم کی حالت میں بار بار اس حدیث کی تکرار کرنی چاہیے،

اذا احبّ اللّٰہ عبداً اصبّ علیہ	جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس
البلاء صبًّا و ثجّہ ثجًّا[1]	پر بلاؤن کا مینہ برساتا ہے،

بلاؤن کی یہ بارش ہی اس کے نفس کو ہوس و تمنا سے پاک کرتی ہے، قلب کی کجی یا زیغ کو دور کرتی ہے! اس تزکیہ و تصفیہ کے بعد ہی وہ حق تعالیٰ کی محبت کے قابل بنتا ہے، اور خسرو کا ہم نوا ہو کر چیخ اٹھتا ہے،

این شربتِ عاشقی است خسرو!

بے خونِ جگر چشید نتوان!

اور پھر سنائی کا ہم زبان ہو کر کہتا ہے :-

بہر چہ از دوست وا مانی چہ کفر آن حرف چہ ایمان

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آن نقش چہ زیبا!

اس علم صحیح کا حصول اور نقطۂ نظر کی یہ تبدیلی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خونِ جگر کے پینے، رنج وغم کی بھٹیوں میں جلنے، سوز و تعبِ سینہ برداشت کرنے ہی سے ہو سکتی ہے! اور اس کے بغیر قرب کے خاص درجات کا حصول ہی ممکن نہیں! درد وغم کی افادیت اس حدیث سے ہی سمجھ میں آسکتی ہے :-

عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ابی امامہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کی ہے
انہ قال: عرض علیّ ربی لیجعل لی	کہ آپ نے فرمایا: میرے پروردگار نے میرے سامنے پیش کی
بطحاء مکۃ ذھبًا، قلت لا یا	کہ مکہ کی وادی میرے لئے سونے سے بھر دی
ربّ! اشبع یومًا و اجوع یومًا	جا سکتی ہے، مین نے عرض کیا کہ اے میرے رب
(او قال ثلاثًا او نحو ہذا) فاذا	مجھے یہ نہ چاہیے! مین چاہتا ہون کہ ایک روز
جعت تضرعت الیک واذا	پیٹ بھر کھاؤن اور ایک روز بھوکا رہون

---

[1] اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

شبعت حمدتك، (اخرجه الترمذی وقال حدیث حسن)

اور جب میں بھوکا رہوں تو تضرع کروں، اور جب پیٹ بھر کھاؤں تو آپ کی حمد کروں،

(۲) عملِ صالح: صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقوم سے یہ علم صحیح حاصل کرنے کے بعد کہ بیماری یا درد و غم، رنج و الم متبلی کے لئے بالآخر خیر ہی کی صورتیں ہیں، رحمتِ مطلقہ ہی کے مظاہر ہیں، شر نہیں ہیں حق الیقین کے اس نقطہ پر سمٹ آنا چاہئے، اور تمام شک و ریب کو اپنے قلب سے دور کر دینا چاہئے، اور نفس کی تمام غلط تمناؤں کو حرفِ غلط کی طرح محو کر دینا چاہئے، اور بآوازِ بلند اعلان کرنا چاہئے کہ زندگی خیر ہے، اور صراطِ مستقیم کے سالک کے لئے ہر واقعہ خیر ہی کا پہلو رکھتا ہے، اور محبوبِ حقیقی جلّ اسمہٗ کا ہر کام پسندیدہ ہی ہوتا ہے، ع

کان پسند بدہ بجز کار پسندے نکند!

جوں ہی بیمار کے قلب و دماغ سے یہ غلط تصور دور ہوا کہ بیماری شر کی صورت ہے، اور اس ایجابی تصور نے جگہ لی کہ زندگی کا ہر تجربہ خیر کا پہلو رکھتا ہے، اور بیماری بھی روحانی پہلو کا ایک ذریعہ ہے اور یہ محض اس امر کی اطلاع ہے کہ اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا ہے، اور مرض اسی مصیبت پر تنبیہ ہوا اور اس کا کفارہ ہے، اور اس کے خلافی اثرات کو دور کرنے کا ایک طریقہ، اس کی زبان سے یہ چیخ نکلے گی:۔

اللّٰھم کلما انعمت علیّ نعمۃ قلّ
عند ھا شکری وکلما ابتلیتنی
ببلیۃ قلّ عند ھا صبری فیامن
قلّ شکری عند نعمتہ فلم یحرمنی
ویامن قلّ صبری عند بلائہ
فلم یخذ لنی ویا من رانی علی
الخطایا فلم یفضحنی! ویا من رانی
علی المعاصی فلم یعاقبنی علیھا
صلّ علی محمد وآل محمد واغفرلی
ذنبی واشفنی من مرضی انک
علی کل شیٔ قدیر!

الٰہی ہر وہ نعمت جو تو نے مجھے سرفرازی، اور اس میں میرا شکر کم رہا، اور ہر وہ مصیبت جس میں تو نے مجھے مبتلا کیا، اس وقت میرا صبر کم رہا، پس اے ذاتِ پاک جس نے انعام کے سرفراز کرنے میں میرے شکر کی کمی کے باوجود مجھے محروم نہیں کیا اور اے وہ ذات جس نے آزمائش میں

ڈالنے پر صبر کی کمی کے باوجود مجھے رسوا نہیں کیا، جس نے مجھے گناہوں میں مبتلا دیکھ کر بھی میری پردہ دری نہیں کی، اور معاصی میں مبتلا دیکھ کر مجھکو سزا نہیں دی، محمد و آلِ محمد پر درود نازل فرما، میرے گناہوں کو بخش دے، اور مجھ کو میری بیماری سے شفا دیدے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے!

اور اس چیخ کے نکلتے ہی الغیاث کی اس پکار کے بلند ہوتے ہی لامتناہی عزت و جبروت الامحدود ملک و ملکوت والا آقا، جو ہم سے دور نہیں، بلکہ جو ہمارے پاس ہی تو ہے، رگِ جان سے زیادہ قریب ہے ہمارا نزدیک تر "وہ الغیاث کی اس پکار پر اپنی خاص و عام رحمتوں کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کی اس تجلی کے ساتھ ہی قلب پر سکینت کا نزول شروع ہو جاتا ہے، اعصاب کا تناؤ دور ہو جاتا ہے اور شفا کا ظہور ہونے لگتا ہے، اور بیماری کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے، ضعف کی جگہ قوت، مرض کی بجائے صحت، توانائی، اور حیات لینے لگتی ہے، اب وہ اطمینانِ خاطر و جمعیت نفس کے ساتھ ان کلماتِ طیبات کو اپنا ورد بنا لیتا ہے:

لا بأس! اذھب البأس، ربّ
الناس، اشف انت الشافی! لا
شفاء الا شفاءك! فاشفنی شفاءً
لا یغادر سقماً!

(بیماری سے) کچھ خوف نہیں! اے خلق کے پالنہار! تکلیف دور کر! تو ہی صحت دینے والا ہے، صحت تیری ہی دی ہوئی ہے! تو مجھ کو ایسی صحت دے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے!

يَا حَلِيمُ وَيَا كَرِيمُ اشْفِنِي!

اے حلیم وکریم مجھ کو شفا دے!

کبھی اپنے بیمار جسم کے اس حصہ پر جہاں وہ درد محسوس کرتا ہے، ہاتھ رکھ کر کہتا ہے:

اعوذ بعزة الله وقدرته على الاشياء كلها، أعيذ نفسي بجبار السموات والارض واعيذ نفسي بمن لا يضر مع اسمه شيئ من داءٍ، واعيذ نفسي بالذي اسمه بركة وشفاء،

حق تعالیٰ کی اس عزت وقدرت سے پناہ کا طلب گار ہوں جو تمام اشیاء پر حاوی ہے، اپنی جان کو زمین وآسمان کے بادشاہ کی پناہ میں دیتا ہوں، اس کی پناہ میں دیتا ہوں جس کا نام لینے پر کوئی بیماری نقصان نہیں پہنچا سکتی، اس کی پناہ میں دیتا ہوں جس کے نام میں برکت بھی ہے اور شفاء بھی!

اور کبھی ان پاک الفاظ میں استغاثہ کرتا ہے، الحاح وزاری سے کام لیتا ہے،

يا علي يا عظيم، يا رحمن يا رحيم، يا سميع الدعوات يا معطي الخيرات صلّ على محمد وآله، واعطني من خير الدنيا والآخرة ما انت اهله، واصرف عني من شر الدنيا والآخرة ما انت اهله، واذهب عني هذا الوجع (و تسميه) فانه قد غاظني و

اے بلند وبرتر خدا، اے رحمٰن ورحیم خدا! اے دعاؤں کے سننے والے، اور بھلائیوں کے عطا کرنے والے، محمد اور آل محمد پر درود نازل فرما، اور مجھے دنیا اور آخرت کی وہ بھلائی عطا فرما جو تیرے لائق ہے، اور مجھ سے دنیا وآخرت کی وہ برائیاں دور فرما جن کو دور کرنے کی تجھے طاقت ہو! مجھ سے اس درد کو دور فرما (یہاں درد کا نام لیا جائے) جس نے

أحزنني!

اس دکھ نے مجھے گلا دیا، اور مجھے رنج ع

ابن السنی

بیماری مرد مومن کو خلق سے، غیر اللہ سے کاٹ کر حق سے جوڑ دیتی ہے، اب وہ ہی حق تعالیٰ ہی کی یاد میں اُن کی یافت وشہود میں مشغول ومنہمک ہو جاتا ہے، اور اسی حالت میں اس کی زبان سے یہ کلمات دعائیہ نکلتے ہیں، جو اس کے مرض کو دور کرنے میں تیر بہدف ثابت ہوتے ہیں،

اللهم انك عيرت اقواما في كتابك فقلت: قل ادعوا الذين زعمتم من دونه فلا يملكون كشف الضر عنكم ولا تحويلا، فيا من لا يملك كشف ضري ولا تحويله عني احد غيره صل على محمد وآله، واكشف ضري وحوله الى من يدعوا معك الها آخر فاني اشهد ان لا اله غيرك!!

بارالہا! تو نے اپنی کتاب میں ان اقوام کو شرم دلائی، ہے جن کے متعلق تو نے کہا ہے "پکارو انھیں جن کو تم خدا کے سوا سمجھتے ہو کہ تمہارے رنج کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، وہ نہ تمہارا رنج دور کرسکتے ہیں، اور نہ اس کو پلٹ سکتے ہیں" او وہ ذات پاک جس کے سوا کوئی میری سختی ورنج کو دور کرنے اور میری مصیبت کو ہٹا دینے کی طاقت نہیں رکھتا، میرے رنج وسختی کو دور کر اور اس کو اس کی طرف پلٹا دے، جو تیرے سوا کسی اور کو پکارتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں!

اگر باوجود دعا، تضرع وابتہال الی اللہ کے تمھیں ناکامی ہو تو مایوس نہ ہو جانا، حق تعالیٰ کی رحمت سے یاس مومن کا شیوہ نہیں، مجاہدین جن کے پیروں تلے بلند سے بلند چوٹیاں آجاتی ہیں، انھیں عام طور پر آزمایا جاتا ہے، اسی وقت ایمان محکم، اور عزم ثاقب کی ضرورت ہوتی ہے، قلب زکی اور ادب بارع کی

ضرورت ہوتی ہے! جب تمھین یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ تم ہار چکے، وہی وقت تمھاری جیت کا ہے! جب تم پر اضطرار کی حالت طاری ہوجاتی ہے، اور تم اپنے عجز اور افتقار الی اللہ کو کامل طور پر محسوس کرنے لگتے ہو تو اسی وقت اجابت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس وعدہ کے مطابق کہ

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ	کون ہے وہ جو ایک بیقرار دل کی پکار کو سنتا
وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ،	ہے جب کہ وہ اس کو پکارتا ہے، اور اسکی
	تکلیف کو دور کر دیتا ہے !

تمھاری مصیبت دور کردی جاتی ہے، غم کا بوجھ اٹھا لیا جاتا ہے، اور کلبۂ احزان کو گلستان بنا دیا جاتا ہے، ! اسی کیفیت کا احساس کرکے حافظ شیرازی نے کہا تھا :

ہان مشو نومید چون واقف نۂ از سر غیب	باشد اندر پردہ بازیہائے پنہان، غم مخور !
حافظا در کنج فقر و خلوت شبہائے تار	تا بود وردت دعا و درس قرآن غم مخور !

حالتِ اضطرار کی ایک آخری دعا کی تمھین تلقین کرکے ہم تم سے رخصت ہوتے ہین، حق تعالیٰ تمھارے رفیق ہین، وہ تم پر شفیق ہین، اور ہر ضیق سے تمھین نجات دیتے ہین، انھین اس طرح مخاطب کرو،

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْعَلِیْلِ	اے اللہ ! مین ایک بیمار ذلیل و فقیر کی طرح
الذَّلِیْلِ الْفَقِیْرِ! اَدْعُوْکَ دُعَاءَ	تجھے پکارتا ہون، ! اس کی طرح پکارتا ہون
مَنْ قَدِ اشْتَدَّتْ فَاقَتُہٗ وَقَلَّتْ	جس کی غریبی سخت ہوگئی ہو، جس کے لئے
حِیْلَتُہٗ وَضَعُفَ عَمَلُہٗ مِنَ الْخَطِیْئَۃِ	کوئی تدبیر و حیلہ نہ رہا ہو، جس کا عمل کمزور
وَالْبَلَاءِ، دُعَاءَ مَکْرُوْبٍ اِنْ	ہوگیا ہو، جو گناہ و بلا کا نتیجہ ہے! اس دردمند
لَمْ تُدْرِکْہُ ھَلَکَ وَاِنْ لَمْ تُنْقِذْہُ	کی طرح پکارتا ہون جسکو تو نہ سنبھالے
فَلَا حِیْلَۃَ لَہٗ !	وہ ہلاک ہوجائے گا، اور تو نہ بچائے تو پھر کوئی

فَلَا تَمْحَطْ لِیْ یَا سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ	پس اے میرے آقا میرے سردار مجھے اپنے مکر
مَکْرَکَ وَلَا تُثْبِتْ عَلَیَّ غَضَبَکَ	مین مبتلا نہ کر، اور اپنے غضب کا نشانہ نہ بنا،
وَلَا تَضْطَرَّنِیْ اِلَی الْیَاْسِ مِنْ	اپنی رحمت سے مجھے مایوس اور نا امید کر اور
رَوْحِکَ وَالْقُنُوْطِ مِنْ رَحْمَتِکَ	اذیت پر طول صبر کی آزمائش مین ڈال !
اَللّٰھُمَّ لَا طَاقَۃَ لِیْ بِبَلَائِکَ	اے اللہ تیری آزمائش کی مجھ میں طاقت
وَلَا غِنَاءَ بِیْ عَنْ رَحْمَتِکَ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ	نہین، اور نہ تیری رحمت سے مجھے بے نیازی
اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ وَحَبِیْبِکَ صَلَوَاتُکَ	ہوسکتی ہے، مین تیری طرف تیرے نبی اور حبیب کے
عَلَیْہِ[1] فَاِنَّکَ جَعَلْتَہٗ مَفْزَعًا	وسیلے سے متوجہ ہوتا ہون جن پر تیرا درود و رحمت
لِلْخَائِفِ،	نازل ہو جن کو تو نے خوف والوں کے دل کی
فَاکْشِفْ ضُرِّیْ وَخَلِّصْنِیْ مِنْ	میری سختی و رنج کو دور فرما اور مجھے اس بلا
ھٰذِہِ الْبَلِیَّۃِ اِلٰی مَا عَوَّدْتَنِیْ مِنْ	سے رہائی دے، اور اس عافیت و رحمت کی حالت
عَافِیَتِکَ وَرَحْمَتِکَ !	کی طرف لے آ جس کا تو نے مجھے عادی بنایا ہے
اِنْقَطَعَ الرَّجَاءُ اِلَّا مِنْکَ یَا اَللّٰہُ	تیرے سوا ہر ایک سے میری امید کٹ گئی،
یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ !	اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ !

وطول الصبر علی الاذی

ابتلائم می کنی آہ الغیاث !!
اے ذکو رازِ ابتلایت چون اناث !! (رومی)

---

[1] یہان ذرا تغیر کیا گیا ہے اصل مین یون ہے:- وھذا ابن بنت بنیک وحبیبک صلوٰتک علیہ، بہ اتوجہ الیک فانک جعلتہ، ... الخ.

خالق باری کے طرز ادا کی دکنی تصانیف!

از

جناب تحسین صاحب سروری

خالق باری نام کی منظوم درسی کتاب گزشتہ زمانے مین طلبہ کے لئے مفید کتاب سمجھی جاتی تھی ، اور ایک مدت تک وہ فارسی کے نصاب مین داخل رہی ، اُس کے قلمی نسخے بکثرت پائے جاتے ہین ، ہندوستان مین چھاپے خانے کے رواج کے بعد بھی اس کی قدر وقیمت پہلے کی طرح قائم رہی ، اور اُس کے بیسیون مطبوعہ نسخے بھی ملتے ہین ، اس کتاب کو جو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ، وہ تنہا اس کی افادیت کی وجہ سے نہین بلکہ جس کے نام سے یہ منسوب چلی آرہی تھی ، اس کی شخصیت اور بزرگی کو بھی اس مین بڑا دخل تھا ، مگر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے مستند شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ وہ حضرت امیر خسرو دہلوی کی تصنیف نہین ہے ، بلکہ ایک اور شخص ضیاء الدین خسرو نے لکھی تھی ، اور خالق باری کے متعلق جو نظریات چلے آرہے تھے ، شیرانی مرحوم کے تحقیقی مقالے کی اشاعت کے بعد ان سب کی تردید ہوگئی[1] ، اس کتاب کے آخری شعر :-

خالق باری بھئی تمام | دوہون جگ رہیا خسرو نام
مولوی صاحب مرن پناہ | گدا بھکاری خسرو شاہ

---

[1] محمود شیرانی مرحوم کا یہ تحقیقی مقالہ اُن کے دو دیباچون کے ساتھ ۱۹۴۴ء مین انجمن ترقی اُردو سے حفظ اللسان معروف بہ خالق باری کے نام سے شائع ہو چکا ہے ، (ت ۔ س)

کی وجہ سے عام طور پر اس کو حضرت امیر خسرو کی تصنیف سمجھ لیا گیا تھا ، موجودہ زمانے مین خالق باری نہ تو ہمارے تعلیمی تقاضون کو پورا کر سکتی ہے ، نہ ادبی حیثیت سے اس کو کوئی مرتبہ دیا جا سکتا ہے ، لیکن اردو زبان وادب کے تدریجی ارتقاء پر روشنی ڈالنے مین ہمارے ادبی مورخین نے اس سے اکثر کام لیا ہے ،

خالق باری کی شہرت و مقبولیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے تتبع مین بے شمار کتابین لکھی گئین ، بارھوین اور تیرھوین صدی تک اس طرز کی درجنون کتابون کا پتہ چلتا ہے ، شیرانی صاحب نے اس قسم کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابون کے تیس[30] سے زائد نام گنائے ہین ، میر عبد الواسع ہانسوی (عہدِ عالمگیری) نے صمد باری اور مرزا غالب نے قادر نامہ کے نام سے اسی طرز کی کتابین لکھی تھین ،

خالق باری اصل مین ان ہندوستانی طلبہ کے لئے لکھی گئی تھی ، جو فارسی کی استعداد بڑھانا چاہتے تھے ، اور جس زبان مین الفاظ کے معنی بتائے گئے ہین ، وہ اس وقت کی مروجہ اردو تھی ، جس کے اکثر و بیشتر الفاظ آج ہمارے لئے نامانوس ہین ، اور اس وقت ہم نے جس زبان کو متروک قرار دیا ہے ، وہی زبان اس وقت کی زبان تھی ، اب تک اس کتاب سے متعلق جتنی بحثین ہوئین وہ صرف اردو زبان کی قدامت ظاہر کرنے کے سلسلہ مین تھین ، اس لئے آخری شعر مین لفظ خسرو نے ایک عرصہ تک محققین کو غلط فہمی مین مبتلا رکھا ، شیرانی مرحوم کا خیال ہے کہ خالق باری کو امیر خسرو کی تصنیف بتلانے والے قدما مین سب سے پہلے بزرگ خان آرزو ہین ، لیکن ٹھیک طور پر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خیال کب سے چلا آرہا تھا ، بعد کے لوگون مین مولانا محمد حسین آزاد ، مولوی محمد امین چریاکوٹی ، پروفیسر مسعود حسن رضوی اور ڈاکٹر وحید مرزا کے علاوہ تقریباً ہر محقق نے خالق باری کو امیر خسرو کی تصنیف تسلیم کیا ہے ، لیکن اب جب کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس کے مصنف ضیاء الدین خسرو ہین ، اور اس کا سال تصنیف ۱۰۳۱ھ ہو ، تو بلحاظ قدامت اس کی کوئی اہمیت نہین رہتی ، اگر حضرت امیر خسرو اس کے مصنف ہوتے ، تو یہ کتاب ساتوین اور آٹھوین صدی کی تصنیف ہوتی ، اور اس وقت ہم کہہ سکتے تھے کہ اردو زبان نے اپنے ابتدائی دور ہی مین ایسی ہمہ گیر شکل اختیار کر لی تھی کہ اس کے نصاب

تیار ہونے لگے تھے،

اس مین شک نہین کہ خالق باری دوسری کتابون کے مقابلہ مین قدیم ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خسرو سے پہلے کبھی کسی نے اس قسم کی کوئی کتاب لکھی یا نہین، تلاش و تحقیق سے اس قسم کی دو کتابون کا پتہ چلتا ہے جن کا آئندہ سطور مین ذکر کیا جائے گا،

رسالہ اردو بابتہ جنوری ۱۹۵۲ء مین ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب نے "مثل خالق باری" کے عنوان سے سلیم شاہ سوری کے زمانہ کی ایک کتاب کا تعارف کرایا ہے، جس کا مصنف ایک ہندو اجی چند بھٹنیر ساکن شہر سکندر آباد ہے، یہ کتاب ۹۶۰ھ کی تصنیف ہے، یہ بھی خالق باری کی طرح کا ایک منظوم درسی رسالہ ہے، مولوی صاحب نے اپنے مضمون مین اس کی بہت سی خوبیون پر روشنی ڈالی ہے، اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اب سے مدتون پہلے اُردو زبان مین ایک زندہ زبان کی صفات اور لسانی خصوصیات پیدا ہو چلی تھین، اس کے علاوہ اس زبان کے کچھ قواعد بھی مرتب ہو چکے تھے، جن سے بتدیون کو روشناس کرایا جاتا تھا،

یہ کتاب اس زمانے مین لکھی گئی تھی جب اردو زبان صرف شاہجہان آباد کے گلی کوچون کی بولی تھی، اور ابھی علمی و ادبی مجلسون مین بار نہ پا سکی تھی، اور نہ دربارون تک اس کی رسائی ہوتی تھی، مگر اس وقت بھی دکن و گجرات کی فضاؤن مین اُردو کے ترانے گونج رہے تھے، اور امیر غریب سب کی یہی زبان تھی، تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی اس زبان مین شروع ہو چکا تھا، اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ خالق باری قسم کی اولین کتاب دکن یا گجرات ہی مین لکھی گئی ہوگی، اور جس طرح دکنی شاعرون کی تقلید مین شمالی ہند کے شاعر اردو مین شعر کہنے لگے، اسی طرح ممکن ہے کہ اجی چند کی خالق باری یا اس قسم کی اور کتابین لکھی گئی ہون گی، دکنی زبان کے اس قسم کے کئی رسالے اب تک دستیاب ہو چکے ہین مگر جو مشہور ہین ان مین ایک بھی گیارہوین اور بارہوین صدی ہجری سے قبل کی تصنیف نہین، ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد)

کے کتب خانے مین البتہ "واحد باری" نام کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس کا سال تصنیف ۹۰۹ھ ثابت ہوا ہے، اس کا مصنف اشرف نام کا کوئی بیجاپوری شاعر ہے[۱] یہ نسخہ اسی اشرف کی ایک اور کتاب "نوسر ہار" کے ساتھ منسلک ہے، اور دونون نسخون کا کاتب ایک ہی ہے، اگرچہ مصنف نے صرف نوسر ہار[۲] کے آخری ابیات مین اوس کی تصنیف کا سال بیان کیا ہے، اور واحد باری کا کوئی سال نہین لکھا ہے، لیکن مخدومی ڈاکٹر زور صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ واحد باری بھی نوسر ہار کی تصنیف کے قریب ترین زمانہ مین لکھی گئی ہوگی موجودہ حالات مین ڈاکٹر صاحب کے اس دعوے کی تردید ممکن نہین ہے، اور کوئی وجہ نہین کہ واحد باری کو ۹۰۹ھ کی تصنیف نہ تسلیم کیا جائے، واحد باری، اردو، فارسی اور عربی کی صرف لغت ہی نہین ہے، بلکہ اس مین عروض و قافیہ، موسیقی، اور علم نجوم کی اصطلاحات و مطالب بھی سمجھائے گئے ہین، اس کے علاوہ خالق باری کی طرح یہ مختلف البحر نہین ہے، بلکہ شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی بحر مین لکھی گئی ہے، اس نسخے مین کل (۸۰۰) اشعار ہین، لیکن مصنف کے اس فارسی شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایک ہزار اشعار تھے،

یک ہزاران بیت آمد در شمار

در گنا ہم روز و شب اینست کار

کتاب کا آخری شعر جس سے شاعر کا تخلص معلوم ہوتا ہے، یہ ہے،

واحد باری ہوئی تمام

دنیا مین رہے اشرف کا نام

اور نوسر ہار کا آخری شعر یہ ہے :-

---

[۱] تذکرۂ اردو مخطوطات مرتبہ ڈاکٹر زور (ص ۴۰-۲۰) [۲] یہ بھی ایک نظم ہے، جو واقعۂ کربلا کے متعلق لکھی گئی ہے،

ہجرت نبی نو سو نو[۹۰۹] دکھیا اشرف نو سد یو

اس مین کوئی شبہ نہین کہ نوسرہار اور واحد باری کا مصنف ایک ہی ہے، اور جب اوّل الذکر
کا سالِ تصنیف شاعر ہی کی زبان سے معلوم ہو جاتا ہے تو آخر الذکر کتاب بھی یقیناً اسی کے قریب قریب زمانہ
مین لکھی گئی ہوگی، واحد باری کے آخری شعر سے جو اوپر درج کیا گیا ہے، ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے،
خالق باری کا آخری شعر بھی اسی زمین اور بحر مین ہے، اس لئے کیا عجب ہے کہ خالق باری کے مصنف
کے سامنے اشرف کی واحد باری رہی ہو، اور خسرو نے اپنی کتاب کا نام خالق باری اسی کا ہم قافیہ رکھ
دیا ہو، فنِ عروض کے متعلق اشرف نے جو اشعار لکھے ہین، وہ ڈاکٹر زور صاحب نے تذکرۂ اردو مخطوطات
مین نقل کئے ہین، بعض اشعار یہ ہین،

بحر ہے دریا آب فراخ — کلام موزون ہے ڈالی شاخ
حروفِ قافیہ نہہ جو آئے، — نوز دہ بحریں تجھے بتائے
ردیف قافیہ تاسیس روی — دخیل نائرہ مصحف نوی
خروج مزید وصل پہچان — حرکات قافیہ شش ہین جان
وافر طویل بسیط مدید — سریع قریب خفیف جدید
مجتث متدارک اور مشاکل — مقتضب مضارع اور کامل
منسرح ہرج ہے، جان رجز — متقارب رمل ناتوان عجز
نیم بیت کو مصرع بول — دو مصرع کی بیت ہے کھول
رباعی کیا جو مصرع جان — مخمس کیا پنج مصرعہ خوان
چند بیت کو قطعہ تو جان — از شعر و غزل سوکا تجھے آن
کم از پنج بیت نہ ادے غزل — ہو ذکر فراق محبت مثل!

قصیدہ غزل کا اوّل مطلع — تخلص آخر بیت کا مقطع!!
ردیف بعد از قافیہ آر — ایک گھوڑے پر دو سوار

ان اشعار مین عروض کی اصطلاحون اور شاعری کی اصناف کو جس سادہ اور ہلکی پھلکی زبان
مین سمجھایا گیا ہے، وہ حد درجہ قابلِ داد ہے، اس کے علاوہ ان اشعار سے واحد باری کی قدامت کا بھی کچھ
نہ کچھ اندازہ ہوتا ہے،

شاعر نے موضوع کتاب کے سلسلہ مین یہ اشعار لکھے ہین،

علمِ لغت دریا ہے گمنت — شنا در خلق نہ پایا انت
دانستن علم لغت اصوات — جو لیوے سو قطرہ بات

کتاب کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے،

واحد باری ایک خدائے — فعلن فعلن فعلن فاع[۱]

مذکورۂ بالا بیانات کی روشنی مین راقم کا یہی خیال ہے کہ اردو نصاب کی اوّلین کتاب واحد باری
ہی ہو سکتی ہے تاہم اجی چند کی کتاب کی اہمیت سے بھی بلحاظ قدامت انکار نہین کیا جا سکتا،
اب تک دکنی زبان کی جو نصابی کتب دستیاب ہو چکی ہین، اس سلسلہ مین ان کا اجمالی تذکرہ کر دینا
مناسب معلوم ہوتا ہے،

رازق باری | اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری (لندن) مین موجود ہے[۲] اس کے مصنف میر سید محمد ولی ہین،

---

[۱] اس شعر کے دونون مصرعے ہم قافیہ نہین ہین، ممکن ہے مصنف نے فاع کے بجائے خدائے کا ہم قافیہ لفظ فائے لکھا ہو، اور کاتب نے غلط سمجھ کر اصلاح کر دی ہو، اس زمانے کی اکثر تصانیف مین اس قسم کا اجتہاد پایا جاتا ہے، یعنی صوتی ہم آہنگی کو اہمیت دی جاتی تھی، (ت ۔ س) [۲] یورپ مین دکنی مخطوطات ص ۲۲۳ مؤلفہ مولوی نصیر الدین ہاشمی،

جن کی مثنوی طالب و موہنی مشہور ہے، رازق باری کے سالِ تصنیف کا پتہ نہین چلتا لیکن والد کا انتقال ۱۲۱۱ھ مین ہوا ہے[1] اس لئے اس کو بارہوین صدی ہجری کی تصنیف سمجھنا چاہیئے، رازق باری ایک دکنی نظم ہے، جس مین عربی و فارسی الفاظ کے معنی اردو مین بتائے گئے ہین، یہ کتاب ۱۲۶۲ھ مین مدراس مین طبع بھی ہوئی تھی، نمونۂ کلام یہ ہے،

رازق باری حق ہے جان	اس کا نور نبی پہچان
طاؤس کیا ہے مور پچھان	مرغی کیا ہے ماکیان جان
والہ اتنے موتی رولیا	فرس لغت کے معنی بولیا
جس نے پایا ذہن صافی	رازق باری اس کون کافی

گنج نامہ اس کا ذکر بھی ہاشمی صاحب نے "یورپ مین دکھنی مخطوطات" مین کیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے مین ہے، اس کے نہ سالِ تصنیف کا پتہ چلتا ہے، اور نہ کتابت کا سال ہی تحریر ہے، اس کے آخری شعر سے مصنف کا نام عطاء اللہ ظاہر ہوتا ہے، لیکن ہاشمی صاحب کے نزدیک یہ نام صحت طلب ہے، وہ شعر یہ ہے،

عطاء اللہ نے کہی کتاب	گنج فارسی کیا خطاب

کتاب کا آغاز ان شعرون سے ہوا ہے،

واحد نام خدا کا جان	جس نے دی ہم سب کو جان
کُن کہنے سے کیا ظہور	جن و انس و وحش و طیور
اشرف مخلوق انسان کو	اپنا مظہر اس کو دیا؟
گرفت پکڑا، داد دیا	فروخت بیچا، خریدلیا

---

[1] والد کے حالات یورپ مین دکھنی مخطوطات (ص ۴۴۴) مین درج ہین،

اس نظم کے اندازِ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشرف اور راجی چند کی تصانیف کے بہت بعد کی تصنیف ہے، بلکہ خالق باری کے بھی بعد لکھی گئی ہوگی، اس کی زبان بھی اتنی صاف ہے کہ اسے مشکل سے قدیم دکنی شاعر کا کلام کہا جاسکتا ہے،

فیض جاری اس کے مصنف حافظ میر شمس الدین محمد فیض ہین، سالِ تصنیف ۱۲۵۶ھ، یہ بھی اسی قسم کی منظوم کتاب ہے، جس کے (۷۰۲) ابیات ہین، اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۶۷ھ کا مکتوبہ کتب خانۂ ادارۂ ادبیاتِ اردو مین محفوظ ہے، ڈاکٹر زور صاحب کے خیال مین یہ کتاب نواب شمس الامرا امیر کبیر کے مدرسہ کے طلبہ کے لئے لکھی گئی تھی، اور نواب صاحب ہی کے مطبع مین ۱۲۵۶ھ مین طبع بھی ہوچکی ہے، کتاب کا نام شاعر نے اس شعر مین تحریر کیا ہے؛

فیض جاری رکھا ہے اس کا نام	تا ہون سیراب اس سے تشنہ اُمام

جس شعر سے سالِ تصنیف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے،

فیض جاری ہوا مرتب جب	تب کہا سب نے ہے نصاب عجب
اُس کی تاریخ مجھکو یون بھائی	فیض کا یہ رسالہ ہے بھائی (۱۲۵۶ھ)

اشعار مین عربی فارسی الفاظ کے معنی اس طرح سمجھائے گئے ہین،

ہے وہ حافظ جسے ہو قرآن یاد	شور ہنگامہ ہے، فغان فریاد
کہہ بنی فاطمہ کو سید و میر	ہے مرمت کا ترجمہ تعمیر
شمس ہے آفتاب دین اسلام	ایک معنی رکھین درود و سلام
فیض انعام ہے ضیا ہے نور	ہے جو منور جان اس کو تنور

فیض اپنے ہمعصرون مین ممتاز حیثیت کے مالک رہے ہین، وہ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر ہونے کے علاوہ بڑے عالم و فاضل بزرگ بھی تھے، اُن کے کئی دیوان طبع ہوچکے ہین،

ایک اور نسخہ اس موقع پر ایک اور قلمی نسخہ کا ذکر ضروری ہے، جو ہمارے مکرم دوست جناب مسلم ضیائی ایم اے نے ہمین تحفۃً دیا ہے، یہ (۱۱) صفحات کا ایک رسالہ ہے جو واحد باری اور خالق باری وغیرہ کے طرز پر طلبہ کو عربی اور فارسی الفاظ سے روشناس کرانے کے لئے لکھا گیا ہے، مگر اس کے اوّل و آخر کے اوراق غائب ہین، اس لئے مصنف کا نام اور سالِ تصنیف کا معلوم کرنا دشوار ہے، کاغذ اور طرزِ کتابت سے تیرھوین صدی ہجری کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے، البتہ املا اور بعض حروف کی شکلین قدیم وضع کی ہین، مثلاً ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ کی علامت "ط" کے بجائے چار نقطون (::) سے ظاہر کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب کے سامنے کوئی قدیم نسخہ تھا، جس کی اس نے اصل کے مطابق نقل کر دی ہے، یہ نظم خالق باری کی طرح مختلف البحر ہے، یہ معلوم نہین کتنے شعرون، اور کتنی بحرون مین تمام ہوئی ہے، موجودہ (۱۶۲) اشعار مین پانچ بحرین ملتی ہین، اس نسخے مین جو معنی بتائے گئے ہین، وہ ٹھیٹھ دکھنی زبان مین ہین، اس لئے اس کا مصنف کوئی دکنی ہی ہو سکتا ہے، جس کا ثبوت مندرجہ ذیل شعر سے ملتا ہے،

پنجہ انگلیان کھُلے ہوے ماہی مچھی، ندی جوے

حیدرآباد کے عوام آجتک مونث اشیا کے اسمار کو جمع کی صورت مین مذکر بولتے ہین، جیسے لڑکیان آتے، چڑیان اُڑرہے ہین، وغیرہ، اسی طرح مچھلی کو مچھی کہتے ہین، اس کے علاوہ اس نسخے مین مبیون الفاظ ایسے ہین جو حیدرآباد کے سوا کہین استعمال نہین کئے جاتے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکا مختصر سا انتخاب پیش کر دیا جائے،

صدر و سینہ چھاتی ہے پت ہے صفرا جھینڈ ناتے
پہلو پسلی شانہ کنگھی دودھ کا جل میل ملائی
پشہ مچھر چڑا کنشک گرد کا زانو ہے بیشک
ریش و محاسن ہے داڑھی شعبدہ باز ہے گاڑڈی

چڑی کنجشک و چڑا ہیگا چناک ہندوانہ تربز دا انگو، تاک
پھر گمس کھی ملخ، تڈا سیخ مور چیٹی ہے پریشانی حرج
بیضہ انڈا پھر نخود ہے ہربھرا باندرا بوزینہ مضطر گھابرا
گھدگا جاموس و سیہ کالا پچھان زرد پیلا سُرخ و احمر لال جان
شش کا معنا بھیپساڑ استخوان جان مغز استخوان کا گدنشان
تشنہ گھی کو مانتے سو ہے پڑی سلک کا ہور عقد کا معنا لڑی
موشکِ پرّان گلیری جان تو موشکِ کور ہے چھچھندر مان تو
کہہ سیتا پھل کو شریفہ اکو خربز جان کتھل کو بھنس باندی کنیز
ہے نبیرہ پوترا عمہ پھوپی ہے بہو کیلن چھپا پنہاں خفی
کوسے کو کہہ تو انگشت اور زغال ہانڈی ہے طنجیر ثروت ہیگا مال
سیویاں ماہیچہ گندم گیہون کا نام قلیہ ناگرخیشہ بچا کچا خام
حرباگھر گٹ سیلک جلپا سہ ہے ہے عرب کے بیچ نام ملک ورے
دوسینہ اخار کاٹا وزن تول چشمہ گھنٹا باوڑی کون چاہ بول

ہے لہوا آہن و برنج پیتل مس تا نبا ہے ابر ہے بادل

ان اشعار مین جن الفاظ کے ذریعہ معنی بتائے گئے ہین وہ نہ صرف دکنی ہونے کا ثبوت دیتے ہین بلکہ کتاب کی قدامت کی بھی نشاندہی کرتے ہین، اس نسخے کے آخری صفحے کے آخری اشعار حسب ذیل ہین

بارہ مہینے کی ہیں کہون ترتیب یاد رکھ دل مین اے محب حبیب
ہے محرم صفر ربیع اوّل پھر ربیع آخر ہے نزد وزن ازل
بعد ہیگا جمادی الاولی اُس کے پیچھے جمادی الاخری

باب التقریظ والانتقاد

"گلبانگ"

ضخامت ۱۶۴ صفحات کاغذ، کتابت بہتر، قیمت ۱۲؍، پتہ :- اقبال بک ڈپو، بیر بہدر ڈاکخانہ اسدرو پٹنہ نمبر ۲،

جناب حافظ شمس الدین صاحب ایم اے سابق لکچرار اردو فارسی پٹنہ کالج کا یہ مجموعۂ کلام جو گلبانگ کے نام سے شائع ہوا ہے، اس حیثیت سے خاص طور پر تقریظ و تبصرہ کا مستحق ہے کہ انھون نے بہار کے ادیبون اور شاعرون کے ادبی و شعری ذوق کی تربیت و نشو و نما مین کافی حصہ لیا ہے،

اس مجموعہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص شاعر کے متبع و مقلد نہین ہین، دو چار شعر ناسخ اور شعرائے لکھنؤ کے انداز کے اس مجموعہ مین بے شبہہ ملتے ہین، مثلاً

جب شب و روز کو جا ہو کہ اکٹھے ہو جائین سر کھلے بام پہ تم جلوہ نما ہو جانا

مین کہہ رہا تھا کہ آنچل سنبھالئے جلدی اڑین نہ پھر مرے دامن کی دھجیان دیکھا

کس قیامت کی جوانی تری گدرائی ہو ایک عالم ترے جوبن کا تماشائی ہو

اگرچہ کہین کہین ناسخ کے رنگ مین غالب کے رنگ کی بھی آمیزش پائی جاتی ہے، مثلاً:

جس سے اے بخت سیہ تونے اڑایا ہے یہ رنگ

سیکھ اسی زلف سے کمبخت رسا ہو جانا

اسی طرح اس شعر مین مومن کا انداز بتایا جاتا ہے،

کیا بتاؤن مسکرانے کا سبب تم ہنسوگے اس خیالِ خام پر

لیکن دو چار شعر کی بنا پر یہ نہین کہا جا سکتا کہ ان مین ناسخ، غالب اور مومن کا انداز پایا جاتا ہے، بلکہ ان کے کلام کا عام رنگ تو صاف، سادہ اور ہموار ہے لیکن بعض غزلین تو بالکل بے کیف ہین، ایک غزل مین اپنی محبوب بی بی کی قبر پر گذر ہوا تو یہ اشعار کہے،

اتفاقاً ایک دن پہنچا جو گورستان مین کیا بتاؤن چوٹ کھا کے دل کا عالم کیا ہوا

اس طرف بھائی، ادھر والد ادھر خالو چچا ٹوٹی قبرون پر سکوتِ موت تھا چھایا ہوا

یہ اشعار غزل سے بالکل میل نہین کھاتے،

اسی قسم کی سیاسی اور نعتیہ غزلین بھی ہین جنمین سے ایک مستقل سیاسی "ایک نعتیہ غزل کا ایک ایک شعر یہ ہے،

ہر طرف سے دین و ملت پر ہے زغہ کیون نہ ہو اپنی لادینی سیاست ہے بہت مشہور آج

اذانون، نمازون مین نامِ محمد اسی سے ہے ظاہر مقامِ محمد

بعض اشعار تو متانت و ثقاہت کے بالکل خلاف ہیں، مثلاً

بڑی جورات کو بھٹی کے نابدان پہ نظر جنابِ شیخ کو میں کیا کہون کہان دیکھا

آپ جو فرمائیے وہ سب درست ہم ہی بدخو ہین ہمیں ہیں بدمعاش

قسمت سے ملا تھا جو کچھ بھی، وہ دودھ نہین مٹھا ہی سہی

اس چھاچھ سے بھی مکھن ملتا افسوس کہ گھوسی مہ نہ سکے

اب لنگوٹی پہ بھاگ کھیلیں گے روکھی سوکھی ین جب گذر نہ ہوئی

بعض جگہ الفاظ و محاورات کی غلطیان بھی پائی جاتی ہین، مثلاً

اب نہ وہ ساقی نہ وہ بزمِ نشاط اٹھیے خالی جام و مینا ہو گیا

خالی جام و مینا ہو گئے" ہونا چاہیے،

شمع نے فانوس اوڑھی یار نے ڈالی نقاب
شوقِ روپوشی بظاہر شعلہ رو رکھتے تو ہیں

فانوس اوڑھنا کوئی محاورہ نہیں،

تمھیں گل پہننے سے عار تھا کوئی دلپسند جو ہار تھا
تو وہ میرے ہاتھون کا ہار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

گل پہننا کوئی محاورہ نہیں،

لیکن باوجود ان نقائص کے ان کے کلام مین چند خوبیان بھی پائی جاتی ہین،

۱۔ ایک تو یہ کہ مولانا حالی نے لکھا ہے کہ غزل مین موسمی کیفیات کا سمان بھی دکھایا جاسکتا ہے،" ان

شمس نے جابجا موسمی سمان نہایت خوبی سے دکھایا ہے، اور اس مین بلبل و قمری کے بجائے یہان کے موسمی

پرندون یعنی کوئل اور پپیہے کے شورش انگیز مضمون کا ذکر کیا ہے مثلاً

جو پیڑ کل تلک تھے خشک ادن مین شگوفے نکل رہے ہین
ہوائین پھاگن کی چل رہی ہین، جہان کی رت بدل رہی ہے،

کہین تو کوکو سے کوئلون کی جنون مزاجون مین بڑھ رہا ہے
کہین پپیہے کی پی کہان سے چھری کلیجون پہ چل رہی ہے

ایک پوری غزل موسم برسات پر ہے جس کا مطلع یہ ہے :۔

ذرا برسات مین رنگ زمین آسمان دیکھو
وہ فرش مخملین پر لوٹتی ہین بدلیان دیکھو

۲۔ کلام مین روانی، برجستگی اور صفائی کے ساتھ جابجا لطف زبان پایا جاتا ہے، مثلاً :۔

کٹھن تھا رستہ کڑی تھی منزل گر جو ہانپی تھی حضرت دل
نہ کوئی اٹکا نہ کوئی جھجکا نہ کوئی بھولا نہ کوئی چوکا

اُسے قاصد کا یہ کہنا دیدیا خط آپ کا
اور مرا گھبرا کے اوس سے پوچھنا پھر کیا ہوا؟

وقتِ رخصت یہی اقرار یہی وعدہ تھا
کیون تمھین یاد بھی وہ قول و قسم ہے کہ نہین؟

۳۔ بعض فلسفیانہ اشعار بھی پائے جاتے ہین، مثلاً

لوٹ لایا چمنِ خلد کی دنیا مین بہار
باغِ جنت سے مین کب بے سر و سامان نکلا

یعنی انسان نے جنت سے نکل کر خود دنیا کو چمنستان بنا دیا،

صفحۂ صحرا پہ گل بوٹون کا مطلب کچھ تو ہے
یہ نمونہ ہے الٰہی کس خطِ گلزار کا

یعنی یہ گل بوٹے صنعتِ خداوندی کا نمونہ ہین، جو خطِ گلزار مین لکھے گئے ہین تاکہ اُن سے دکھا دیا جائے کہ خدا کا وجود ثابت ہو،

۴۔ اُن کے کلام کا عام رنگ تو سادہ اور ہموار ہے، لیکن جابجا عمدہ رنگین اور بلند اشعار بھی

مل جاتے ہین، مثلاً

کوئی دیکھے سبزہ زارون مین گھٹا اُٹھی بہار
شاہدِ فطرت نے زلفون کو پریشان کر دیا

مٹانی تھی طلب ہم پیاس سے مرجانیوالون کی
کبھی تو خاک پر اے ساغرِ سرشار گر جاتا

کیا کرین ہمتِ عالی کو نہین ہے منظور
ورنہ آسان تھا راضی برضا ہو جانا

کشتی کو اہلِ عزم نے طوفان مین دیکھ کے
تو جون کے درمیان مین ساحل بنا دیا

لے کیا چین ہم کو آشیان مین وحشتِ دل سے
کہ جو تنکے تھے سب خارِ مغیلان ہوتے جاتے ہین

اوس نگاہِ غلط انداز کے صدقے ظالم
جس مین سب کچھ ہے نہان اور عیان کچھ بھی نہین

اخیر وقت اک نظر بھر کے دیکھ لے ساقی
کہ تیرے مست کا لبریز جام ہو جائے

زندگی کی راحتین ہین سب اِسی مبہم مین نہان
جو سفر مین ہو یہان گویا وہی منزل مین ہے

نظر آتے ہین اُنکی بزم مین سب جلنے ہی والے
کہین پر شمع ہوتی ہے کہین پروانہ ہوتا ہے

ان خصوصیات کی وجہ سے اس مجموعہ کا مطالعہ لطف و لذت سے خالی نہین،

کیفِ سرمدی

از جناب سر یدھر پرشاد صاحب ناشاد تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دو روپئے علاوہ محصول ڈاک، پتہ :- دوار کا بھون کاشی ڈیرہ لکھنؤ،

آج کل "شاعر بننا" بہت آسان ہے اور ترقی پسند شاعری نے اوس کو اور زیادہ آسان بنا دیا ہے، الٹی سیدھی دو چار نظمیں اور غزلیں کہہ لیں، اور مشاعروں میں ترنم کے ساتھ پڑھکر اور ادبی رسالوں میں چھپوا کر شاعری کی سند حاصل کر لی، مگر "شاعر ہونا" اب بھی مشکل ہے، اس کے لئے فطری مناسبت اور حسن مذاق کے ساتھ ادبی استعداد اور فنی ریاضت بھی ضروری ہے، اسی لئے ہر زمانہ کے شعراء کے انبوہ میں چند ہی ایسے نکلتے ہیں، جن کا کلام دل و دماغ کو اپنی جانب متوجہ کر سکتا ہے، ناشاد بھی انھی کم یاب شعراء میں ہیں، انھوں نے اگرچہ مشاعروں اور ادبی رسالوں کے ذریعہ شہرت حاصل نہیں کی، لیکن ان کا کلام محاسن شعری کے لحاظ سے حقیقی شاعری کہلانے کا مستحق ہے، کیفِ سرمدی اُن کے کلام کا مجموعہ ہے، ان کا کلام پہلی مرتبہ راقم کی نظر سے گذرا، مگر دو چار غزلیں پڑھتے ہی دماغ چونک پڑا، اور ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی نئی چیز سامنے آگئی، اور کیفِ سرمدی کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ تاثر بڑھتا گیا، اور جب اوسکو ختم کیا، تو اس پر تعجب ہوا کہ افقِ شاعری کا یہ درخشن ستارہ اب تک عام نگاہوں سے مخفی کیوں رہا،

ناشاد ایک تعلیم یافتہ کایستھ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے اردو شعر و ادب کا ذوق گویا ان کو ورثہ میں ملا ہے، جامعہ عثمانیہ کی تعلیم نے اس ذوق میں اور جلا پیدا کر دی ہے، جس کا نمونہ کیفِ سرمدی ہے، اردو شاعری میں قادر الکلامی اور فنی مہارت کا ثبوت تو دوسرے اصنافِ سخن سے بھی مل سکتا ہے، مگر رچے ہوئے ذوق اس کی لطافت و نفاست اور نازک لطیف جذبات کی ترجمانی کا معیار صرف غزل ہے، دوسرے اصنافِ سخن کا تعلق زیادہ تر دماغ سے ہے، اور غزل کا دل سے، اس لئے جو کیف و اثر غزل میں ہے، وہ کسی اور

صنف میں ممکن ہی نہیں، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی نے کیفِ سرمدی کے تبصرہ میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ "شاعری ممکن ہو ہر ہتون کے بس کی ہو مگر غزل بڑی مشکل سے قابو میں آتی ہے ...... اور غزل صنفِ کلام ہی نہیں بلکہ سلیقۂ کلام بھی ہو جو بہت سے شعراء کو نصیب نہیں"، اس لئے بد مذاق اور پھوہڑ شاعر کبھی اچھا غزل گو نہیں ہو سکتا، اور اس کے حریم قدس تک اُس کی رسائی ہی ممکن نہیں، اسلئے بد مذاق شعراء اپنی بدذوقی کا الزام غزل کے سر ڈال کر اس سے بھاگتے ہیں، مگر کوئی خوش مذاق شاعر غزل کی دلربائی سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ ترقی پسند شعراء بھی جو ترقی پسندی کی علامت کے طور پر غزل پر تنقید بھی ضروری سمجھتے ہیں، اس سے دامن بھی نہیں چھڑا پاتے، چنانچہ آج بھی چوٹی کے تمام ترقی پسند شعراء اچھے غزل گو بھی ہیں، اور جو اس تہمت کو اپنے اوپر رکھنا گوارا نہیں کرتے، وہ بھی اُس کے اثر سے نہیں بچتے، وہ نظمیں ایسی رنگین کہتے ہیں جن کے سامنے تغزل کی رنگینی بھی پھیکی پڑ جاتی ہے، یعنی اُن کی شاعری کا قالب تو غزل کا نہیں ہوتا، مگر روح اسی کی ہوتی ہے،

اصل یہ ہے کہ جب تک جذبات کی دنیا قائم اور شعر و ادب کا صحیح مذاق موجود ہے، بلکہ ادبی شائستگی باقی ہے، اُس وقت تک غزل نہیں مٹ سکتی، یہ اور بات ہو کہ مذاق کے تغیر کے ساتھ غزل کا جمال اور زیادہ نکھرتا اور سنورتا جائے، جو در اصل اُس کی ترقی ہے، اس کا ثبوت یہ ہو کہ اس زمانہ میں جب کہ غزل ہر طرف سے ہدفِ ملامت بنی ہوئی ہے، اس نے اتنی ترقی کی ہے کہ غزل کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہ باتیں اس لئے ضمناً زبانِ قلم پر آگئیں کہ ناشاد نے غزل ہی کو موضوعِ سخن بنایا ہے، اور اس زمین میں بڑے دلکش گل بوٹے کھلائے ہیں، اُن کی غزلوں میں تغزل کی تمام نیرنگیاں اور اُس کے سارے جلوے موجود ہیں، انھوں نے بحریں بھی بڑی سبک، ہلکی پھلکی، اور زبان بڑی نرم و نازک اختیار کی ہے، اس لئے زبان کی سادگی و سلاست اور خیالات کی نزاکت و لطافت اُن کی شاعری کا امتیازی وصف بن گیا ہے، اس مختصر تبصرہ میں اس کے تفصیلی تجزیہ کی گنجایش نہیں ہو، اس لئے بغیر کسی تبصرہ کے ان کے مختلف رنگ و مذاق کے اشعار نقل کئے جاتے ہیں اس سے کلام شاد کی خصوصیات کا اندازہ ہو جائے گا،

بھاگئین کیون دہر کی نیرنگیان — ہوگیا ذوقِ نظر برباد کیا

کرشمے ہزارون ادائین ہزارون — کوئی سہل ہے تم کو پہچان جانا

ہم تو جلوون ہی مین کھو کر رہ گئے — سجدہ کیسا اور کیسی بندگی

عشق کی تفسیر کیا تشریح کیا — کیفِ روحانی سرورِ سرمدی

اس طرح اٹھی نگاہِ شوق ادھر — آگیا اُن کے حجابون کو حجاب

حیات و موت سے مجھکو بچا لیا تونے — ہزار شکر کہ اپنا بنا لیا تونے

سکون و ضبط مین لاؤن کہان سے — تم ہی پردہ اٹھا دو درمیان سے

عشق کا حسنِ ظن معاذ اللہ — غم کو سمجھا ہم تری عطا ہے

تمنا ہے حور و قصور و جنان کی — بہت پست ہے حوصلہ آدمی کا

ہم کہان اور کہان تیری محفل — ہے محبت کی کارفرمائی

دل نذرِ جمالِ یار کرکے — احساس ہوا ہے زندگی کا

یون تو دیر و حرم بھی ہین لیکن — آپ کے نقشِ پا سے کیا نسبت

بادۂ دلفروز سے توبہ — شیخ رازِ حیات کیا جانے

شیخ کب تک شرع کی پابندیان — زندگی ہے بیعتِ پیرِ مغان

جانتا ہون مآلِ عشق مگر — جان کر بھی فریب کھاتا ہون

تیری جادو بیانیون کی قسم — تیری باتون مین آہی جاتا ہون

موجزن ہے اس طرح دل مین امید — جیسے پھولون سے گذرتی ہو صبا

آرہا ہے اس طرح اُن کا خیال — جیسے اک جھونکا نسیمِ صبح کا

سجدے کرتے ہین رات دن لیکن — بندگی عمر بھر نہین آئی

دنیائے عاشقی مین وہ پھول کھل چکے ہین — مہکا ہوا ہے جن کی نگہت سے ہر زمانہ

ہوتے رہے آپ کے اشارے — جیتے رہے زندگی کے مارے

منزلِ حسن و عشق مین ایسا بھی اک مقام ہے — سجدہ جہان روا نہین، حاجتِ بندگی نہین

اب تو ہی خود بتا دے کیا تجھ سے کوئی مانگے — جب تو ہی آرزو ہے جب تو ہی مدعا ہے

جور و ستم اٹھایا لطف و کرم بھی دیکھا — آتے نہین ہین یون ہی آدابِ بندگی کے

فضا بدلے ہوا بدلے مکان بدلے زمان بدلے — ذرا تم مسکرا دو کہ رنگِ آسمان بدلے

نہ پھولون مین وہ بو باقی نہ تارون مین ضیا باقی — نگاہِ ناز کیا بدلی زمین و آسمان بدلے

تیری بندہ نوازیون کے نثار — یہ نہ پوچھ اب کہ زندگی کیا ہے

کیا حال بتائین بے دلی کا — اب تیری بھی آرزو نہین ہے

تذکرہ تھا گردشِ ایام کا — آپ کیون تیور بدل کر رہ گئے

دیکھ کر ہوش و خرد کی کاوشین — دل کے بندے مسکرا کر رہ گئے

کچھ تبسم کرکے وہ کیا کہہ گئے — ماہ و انجم سر جھکا کر رہ گئے

دل مین ارمان تو ہزارون تھے مگر — بن کے آنسو رفتہ رفتہ بہہ گئے

یہ کب تک پردہ ہائے ماہ و انجم — اٹھا دے ان حجابون کو اٹھا دے

کیف سرمدی مین صرف ساٹھ غزلین ہین، اور ان مین سے کوئی غزل چھ سات شعر سے زیادہ نہین ہے، اس مختصر مجموعہ کے اس انتخاب سے ناشاد کی شاعرانہ استعداد اور اُن کے حسنِ مذاق کا اندازہ ہو سکتا ہے، مجموعہ کے شروع مین پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی اور پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی کے دلچسپ تبصرے ہین۔

———•———

مطبوعات جدیدہ

مسلمانانِ ہند کا لائحہ عمل از مولانا ابواللیث صاحب ندوی امیر جماعت اسلامی ہندوستان تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۲ر

پتہ :- مکتبہ جماعت اسلامی ہند ریاست رامپور،

دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت کا کوئی نہ کوئی نصب العین اور فلسفۂ حیات ہوتا ہے جس کے لئے وہ جیتی اور مرتی اور جس کے سہارے زندہ رہتی ترقی کرتی، اور آگے بڑھتی ہے، اور اس کے ترک وذہول سے زوال پذیر ہوجاتی ہو مسلمانون کا نصب العین اعلاء کلمۃ اللہ اور ان کا فلسفۂ حیات اسلام ہے، اسی کے ذریعہ وہ بام عروج پر پہنچے تھے، اور اسی کے ترک سے وہ تنزل و پستی مین مبتلا ہین، مذکورہ بالا کتاب مین اسی نقطۂ نظر سے ہندوستان کے مسلمانون کی حالت اور ان کی موجودہ مشکلات و مصائب کا جائزہ لیا گیا ہے، اور اسکی اصلاح کی تدبیرین بتلائی گئی ہین، کتاب کا اصل مقصد دین کا احیاء اور مسلمانون کی دینی تجدید و اصلاح ہے ضمناً ان کے سیاسی و معاشی مسائل بھی زیر بحث آگئے ہین، اس مقصد اور اس کے حصول کے صحیح ذرائع سے کس مسلمان کو اختلاف ہوسکتا ہے، اس لئے لائق مصنف نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کی روشنی مین مسلمانون کی تجدید و اصلاح کی جو تدبیرین بتلائی ہین، وہ بڑی حد تک صحیح ہین، اور ان پر عمل ہی سے انکی دینیا وی مشکلات بھی دور ہوسکتی ہین، مگر اس مقصد کے لئے متعلمین و مجددین اسلام کے کارنامون اور مسلمانون کی دینی تجدید و اصلاح کی تاریخ پر خط نسخ پھیرنے کی کیا ضرورت تھی، اس کے بغیر بھی وہ اپنے خیالات پیش کرسکتے تھے، جماعت اسلامی کا یہ دعوی بھی عجیب وغریب ہے کہ عہد رسالت کے بعد سے اس وقت تک جماعت کے دعاۃ کے علاوہ نہ کسی نے تنہا دین حق

کی حقیقت کو سمجھا، نہ کسی نے علی منہاج النبوۃ تبلیغ کا فرض انجام دیا، اور نہ کسی نے مسلمانون کی اجتماعی اصلاح کی کوشش کی، اور نہ ہندوستان کی کسی دینی جماعت مین اس فرض کو ادا کرنے کی اہلیت ہے، ان عجیب وغریب دعوون کی وجہ سے مصنف کے بیان مین جابجا تضاد پیدا ہوگیا ہے، ہندوستان کے مسلمانون کی سیاست اور ان کی قومیت اور وطنیت کے بارہ مین بھی مصنف کے خیالات بحث طلب ہین، مگر اس تبصرہ مین اس پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہین ہے، ہم کو مصنف سے جن کا قلم ان کی پوری جماعت مین سب سے زیادہ سنجیدہ ہے، یہ توقع تھی کہ وہ کتاب کے مباحث کو اصل مقصد اور موضوع تک محدود رکھین گے، اور اختلافی امور اور دوسری جماعتون پر طعن و طنز سے احتراز کرین گے، مگر وہ بھی جماعتی عصبیت سے اپنا دامن نہ بچا سکے، اس قسم کی بحثون سے ان لوگون پر بھی اچھا اثر نہین پڑتا، جو جماعت اسلامی سے کوئی بنیادی اختلاف نہین رکھتے، اور نہ کسی مسلمان کو اس سے اختلاف ہوسکتا ہے، انھی جزوی اور غیر ضروری باتون سے اختلاف پیدا ہوتا ہے، اس لئے یہ طریقہ تبلیغی نقطۂ نظر سے بھی جماعت کے مقصد کے لئے مضر ہے، اس سے وہ لوگون کو اپنے قریب لانے کے بجائے دور کردیتی ہے، یہ ضروری نہین ہے کہ تمام جماعتون کا طریقہ کار ایک ہی ہو، اور جس کا طریقہ جماعت اسلامی سے مختلف ہو اسے غیر دینی اور باطل تصور کیا جائے، اس لئے جماعت اسلامی کے کارکنون کو اس بارہ مین وسعتِ قلب پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو جماعت کسی حیثیت سے بھی مسلمانون کی دینی خدمت کرتی ہے وہ جماعت اسلامی کے کام کے لئے راستہ ہموار کرتی ہے، اسلئے ان سب جماعتون کے کامون کو تحسین کی نظر سے دیکھنا چاہئے، یہ باتین مخلصانہ اور خیر خواہانہ کہی گئی ہین، اس لئے امید ہے کہ جماعت کے دعاۃ خصوصاً اس کے لائق امیر جن پر تبلیغ کی بڑی ذمہ داری ہے، اس پر غور فرمائین گے، اس پہلو اور بعض جزئیات سے قطع نظر جہان تک خالص دینی اصلاح کا تعلق ہے، یہ کتاب یقیناً ہندوستان کے مسلمانون کے لئے لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے،

حسرت کی یاد مین مرتبہ جناب عبداللہ ولی بخش قادری ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۰ صفحات کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت :- ۱۲ر پتہ ادارہ تالیف و تصنیف مجیدیہ اسلامیہ کالج الہ آباد،

۹ر جنوری ۱۹۵۲ء کو جمیعتہ کالج الہ آباد مین مولانا حسرت موہانی مرحوم کی یادگار مین یوم حسرت منایا گیا تھا، اس مین اُن کے متعلق جو مضامین اور نظمین پڑھی گئی تھین، اُن کو اور اکابر کے بیانات کو کتابی شکل مین شائع کر دیا گیا ہے، اس مجموعہ مین حسب ذیل مضامین مولانا حسرت موہانی، انقر موہانی، مولانا حسرت موہانی سے میری پہلی ملاقات، عادل رشید صاحب، حسرت سرفراز رسوائی، پروفیسر نجم الدین شکیب، حسرت موہانی پروفیسر اظہر علی فاروقی، حسرت کی شاعری، پروفیسر مبشر علی صدیقی، حسرت کا عشق اور اس کے ارتقائی مدارج، انجم اجملی، حسرت کی شاعری پر ایک طائرانہ نظر، نعیم مفتی صدیقی، حسرت اور ان کا عشق، سید محمد عقیل رضوی، حسرت کا محبوب سید علی عباس صاحب زیدی، تحریک آزادی اور حسرت، پروفیسر مسیح الزمان، حسرت کا ذہنی تجزیہ ڈاکٹر اعجاز حسین، سکونِ متحرک یعنی حسرت موہانی، مولانا عبد السلام صاحب ندوی، ان مقالات سے حسرت کی سیرت و سوانح اخلاق و کردار، اُن کی سیاسی زندگی، اور شاعری ہر پہلو پر روشنی پڑ جاتی ہے، اور اُن کے اوصاف و کمالات سامنے آجاتے ہین، اس لحاظ سے یہ مجموعہ قابلِ قدر ہے، تعلیم گاہون کے لئے اکابر کی یادگار منانے کا یہ طریقہ مفید اور قابلِ تقلید ہے، اس لئے یادگار کے ساتھ علم و ادب کی بھی خدمت ہو جاتی ہے،

استاذ العربیہ از جناب مولوی ابوالمآثر عبد السلام صاحب نعمانی، تقطیع چھوٹی، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت تحریر نہین، پتہ:- مکتبہ ندوۃ المعارف کچی باغ بنارس نمبر ا،

عربی کے پرانے طریقۂ تعلیم مین وقت بھی زیادہ صرف ہوتا تھا، اور مشکل بھی تھا، اس کو آسان بنانے اور کم مدت مین اس کی تعلیم کے لئے اردو مین عربی کے قواعد کی بہت سی مختصر اور آسان کتابین لکھی جا چکی ہین، استاذ العربیہ بھی اسی مقصد سے تالیف کی گئی ہے، اس مین صرف و نحو کے ضروری قواعد کو دلنشین انداز مین اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اور اُن کی عملی مشقین بھی دیدی گئی ہین، اور اُن کی مثالون مین کثیر الاستعمال الفاظ اور فقرون کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، جس سے عربی املا و انشاء اور اس کے بولنے مین بھی مدد ملتی ہے، اس لحاظ سے یہ رسالہ عربی تعلیم کے لئے مفید ہے،

"م"

جلد ۷۱ — ماہ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۳ء — عدد ۳

مضامین